اہلبیت
اور
اہلسنت

از محمد سراج الحق مچھلی شہری

ناشر:- مفتاحی اکیڈمی مئو اعظم گڈھ

"مجتہدین علما کو قرآن اور حدیث پر پیش کرنے سے اُمت کو کبھی استغنا نہیں ہو سکتا"

(شاہ ولی اللہ)

اہلبیت
اور
اہلسنت

جس میں اہلسنت کی اُن غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو اُن سے اہلبیت رسول

کے باب میں ہوئی اور ہوتی رہتی ہیں

از

محمد سراج الحق مچھلی شہری

ناشر: مفتاحی اکیڈمی - مئو - اعظم گڈھ

ناشر

مفتاحی اکیڈمی ۔ مئو ۔ اعظم گڈھ

طابع :۔ اسرار کریمی پریس الہ آباد

ملنے کے پتے :۔

۱۔ مفتاحی بک ایجنسی ۔ مئو ناتھ بھنجن ۔ اعظمگڈھ (یوپی)
۲۔ مکتبۂ اعظمی ۔ پٹھان ٹولہ مئو ناتھ بھنجن
۳۔ مکتبہ اسلامی ادب ۔ للہ پورہ فاطمان وارانسی

بار اول ایک ہزار ـــــــــــــــــــ ۱۳۸۵ھ
۱۹۶۵ء

قیمت ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحدیث نعمت

ربّ العزت کا بے پایاں لطف و کرم ہے، کہ اس نے مفتاحی اکیڈیمی کو۔ اس کی پہلی پیشکش "اسلامی حکومت کے نقش و نگار" کی وجہ سے علمی حلقوں کا مرکز توجہ بنا دیا ہے، اخبارات و رسائل نے بھی اپنے گرانقدر تبصروں میں اکیڈیمی کے اس "نقش اول" کو بہت زیادہ اُمید افزا قرار دیا ہے۔

یہ حوصلہ افزا باتیں میرے لئے باعثِ مسرّت و افتخار ہیں اور اکیڈیمی کے لئے فال نیک، فالحمد للہ۔

زیر نظر کتاب "اہلبیت اور اہلسنت" اکیڈیمی سے شائع کرتے ہوئے ایک خاص مسرّت حاصل ہو رہی ہے گزشتہ سال جب مجھے اس کے مسودہ کے بعض اجزا کے مطالعہ کا اتفاق ہوا اسی وقت سے یہ جی چاہتا تھا کہ اس قابل قدر اور تحقیقی کتاب کی اشاعت کا فخر اکیڈیمی کو حاصل ہو، مقام شکر ہے کہ عرصہ کی وہ دلی تمنا آج بر آرہی ہے، اور اکیڈیمی کو اسی سال کے اندر اس کی اشاعت کی سعادت بھی حاصل ہو رہی ہے۔

کتاب کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ آپ بھی میری اس رائے سے متفق ہوں گے کہ مؤلف مدظلہٗ نے اس کی تالیف میں کس قدر محنت اور علمی و فکری صلاحیت صرف فرمائی ہے ان کے نکتہ آفریں ذہن اور دقیقہ رس دماغ نے علم و دانش کے جیسے موتی بکھیرے ہیں، اس کے لئے وہ بجا طور پر مستحق مبارکباد ہیں۔

حق تعالیٰ مؤلف مدظلہٗ کی اس علمی کاوش، اور اکیڈمی کی پیشکش کو حُسن قبول عطا فرمائے اور اس کا مطالعہ ناظرین کے لئے موجب ہدایت ثابت ہو۔

طالب دُعا:۔ رشید احمد مفتاحی

مفتاحی اکیڈمی ۔ مئو ۔ اعظمگڈھ

۸ / نومبر ۱۹۶۵ء

مقدمہ از فاضل جلیل مولانا الحاج محمد اسحاق سندیلوی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ ونبیہ وعلیٰ صحبہ وازواجہ وذریتہ واتباعہ اجمعین۔ اما بعد خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر جو دلائل قاہرہ قرآن مبین نے قائم فرمائے ہیں ان میں ایک بہت روشن۔ عام فہم اور موثر دلیل حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت رفیعہ اور ان کا کمال بے مثال بھی ہے جس شخص کو قرآن مجید سے ذرا بھی تعلق ہے اس پر یہ حقیقت روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں حضرات صحابہ کرام کی محبت و عظمت، حدود شرعیہ کے اندر، جتنی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس کا ایمان بالنبوۃ بھی زیادہ قوی ہوتا ہے اور برعکس صورت میں نتیجہ بھی برعکس ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ فرق باطلہ جو ایمان بالنبوۃ کے دعوے کے باوجود حضرات صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت کی دولت سے تہیدست ہیں وہ نبوت حضرت سید المرسلینؐ پر ایمان کی نعمت کے اعتبار سے بھی تہیدست نہیں تو تنگدست ضرور ہیں۔

حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی رتبۂ صحابیت پر فائز ہیں اس لئے ان کی محبت و عظمت کے نور سے بھی ہر مومن کا قلب منور ہونا چاہئے لیکن دلیل نبوت ہونے کے لحاظ سے انھیں ایک امتیاز و خصوصیت حاصل ہے جو انھیں تمام صحابہ و صحابیات اور حضورؐ کی اولاد طاہرات سے ممتاز کر دیتی ہے۔ یہ خصوصیت، انسانی معاشرے کے عام حالات پر معمولی طور پر غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ بے تکلفی میں میاں بیوی کے تعلق کی ہمسری دنیا کا کوئی دوسرا تعلق نہیں کر سکتا شوہر اور بیوی کسی طرح بھی ایک دوسرے سے تکلف کو نہیں نباہ سکتے اور نہ ایک دوسرے سے اپنے کردار و سیرت کی کمزوریوں کو چھپا سکتے ہیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بیوی، شوہر کی

محکوم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی محبوب بھی ہوتی ہے ناز بھی اس کا ایک شیوہ ہے جو عادۃً لازم ہے جب اس پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو عموماً مآل اندیشی دبے پاؤں اس سے دور ہٹ جاتی ہے اور وہ بلا کسی جھجک کے بعض وقت شوہر کی کمزوریوں کو ظاہر بھی کر دیتی ہے۔ اس "ناز" کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ شوہر کی نصیحت اور تعلیم بیوی پر بہت کم موثر ہوتی ہے۔

ازدواجی تعلقات کی اس "نفسیات" کو پیش نظر رکھ کر دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دلوں میں آنحضورؐ کی جو عظمت و محبت تھی اور جس طرح وہ سب کی سب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم اور خلق کی مدح و ستائش میں یکساں رطب اللساں اور حضور کے حسن معاشرت پر برابر شیفتہ اور فریفتہ تھیں کیا یہ آنحضورؐ کی رسالت و صداقت کی ایک مستحکم دلیل نہیں ہے؟ یہی نہیں بلکہ خود ازواج مطہرات کا اعلیٰ کردار، ان کے حالات رفیعہ اور کمالات روحانیہ دوسری جہت سے انھیں دلیل نبوت کے بلند درجہ پر فائز کر رہے ہیں یعنی باوجود تعلق ازدواجی کے ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ متاثر اور مستفیض ہونا بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپکے کمال تربیت کی برہان جلی ہے۔ اگر ہر صحابی اپنی جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک مستحکم دلیل و برہان ہے اور یقیناً ہے تو ازواج مطہرات ان دلائل کے روشن تر اور واضح تر ہونے میں سب سے ممتاز ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ازواج مطہرات کے بعض اور امتیازات بھی ہیں جو انھیں دوسرے صحابہ و صحابیات کے درمیان ایک نمایاں درجہ دیتے ہیں معاشرت کے متعلق (جو دین کا ایک اہم اور ممتاز شعبہ ہے) اکثر احکام الٰہیہ بقیہ امت تک انھیں مقدس خواتین کے ذریعہ سے پہنچے ہیں اگر امہات المومنین نہ ہوتیں یا وہ حفاظت و تبلیغ دین کی کوشش نہ فرماتیں تو دین کا یہ اہم شعبہ بالکل گم ہو جاتا۔ ازواج مطہرات کے تعدد میں جہاں اور حکمتیں ہیں وہاں مندرجہ بالا دو حکمتیں بھی ہیں۔

اگرچہ ازواج مطہرات کی خصوصیات اور بھی ہیں لیکن یہاں ان سب کی تفصیل مقصود نہیں البتہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ازواج مطہرات کی انھیں مذکورہ خصوصیات پر نظر کرنے سے ہر صاحب نظر اندازہ کر سکتا ہے کہ ان مقدس امہات المومنین کی عظمت و محبت کا دل میں قائم رکھنا ان کے فضائل و مناقب کو اور ان کے بلند و پاکیزہ اخلاق و کردار کو نمایاں کرنا حفاظت ایمان اور

اشاعتِ دین کیلئے کس قدر ضروری ہے۔ اگر معاذ اللہ ازواجؓ مطہرات پر اعتماد کمزور ہوجائے اور ان کی عظمت دل سے کم ہوجائے تو احکام دینیہ کا کتنا بڑا حصّہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے یہی نہیں بلکہ نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قوی دلیل کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

ابن سبا اور اس کے متبعین نے اسی وجہ سے ازواج مطہرات کی تنقیص اور مسلمانوں کے دلوں میں انکی عظمت کو کم کرنیکی پوری کوشش کی ہے۔ انکا حقیقی مقصد اس کوشش سے خود ان مقدس شاہزادیوں کی تنقیص نہیں تھا بلکہ وہ خاکم بدہن، درحقیقت حضرت سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو کم اور آپ کی رسالت و نبوت کو مشکوک اور ناقص ثابت کرنا چاہتے تھے۔ جن طریقوں سے انھوں نے امہاتؓ المومنین کی شان اور درجہ گھٹانے کی کوشش کی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے قرآنی لفظ "اہلبیت" کے معنی اس طرح تبدیل کئے اور اس کو حقیقی معنوں سے ہٹا کر اس طرح مجازی معنوں میں مشہور کیا کہ اب اہلبیت کے مفہوم سے ازواج مطہرات کو خارج ہی کر دیا حالانکہ لغتہً و عُرفاً اس لفظ کی حقیقی مصداق ازواج مطہرات ہی تھیں۔

قرآن مجید میں امہات المومنین کے جو فضائل و مناقب مذکور ہیں ان میں ایک آیت میں یہ بیان ہے کہ اللہ جل شانہ نے خود انکی تطہیر فرمائی چنانچہ ارشاد ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ٥ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں کہ اے اہلبیت نبی تم سے گندگی کو دور رکھیں اور تمھیں خوب پاک وصاف کر دیں۔ اب ظاہر ہے کہ جن کی طہارت کا ارادہ خود حق تعالیٰ جل شانہ، فرمائیں انکی طہارت و پاکیزگی میں شک وشبہ کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ ازواج مطہرات کی یہ فضیلتِ عظیمہ جس میں کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے۔ سبائیوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی۔ اس آیت کا قرآن مجید سے نکال دینا یا اس میں لفظی تحریف کر دینا تو ناممکن اور محال تھا اسلئے انھوں نے تحریف معنوی کی ٹھانی اور یہ مشہور کیا کہ آیت میں "اہلبیت" سے مراد حضرت فاطمہ و علی و حسنینؓ رضی اللہ عنہم ہیں ازواج نبی کریمؐ مراد نہیں ہیں۔ پھر اپنے اس غلط مدعا کو ثابت کرنے کیلئے انھوں نے بہت سی جھوٹی روایتیں وضع کیں اور انھیں خوب شہرت دی انکے پروپیگنڈے اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر (جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں) علماء اہلسنت کا ایک بہت بڑا گروہ بھی انکے فریب میں آگیا اور وہ موضوع وضعیف روایتیں

بہت سی کتبِ تفسیر و حدیث میں بھی داخل ہوگئیں ان حالات کا بحیثیتِ مجموعی اثر یہ ہوا کہ آج اہلسنت کی غالب اکثریت بھی جسمیں علما و عوام دونوں داخل ہیں لفظِ "اہلبیت" سے ازواج مطہرات کے بجائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و حضرات علی و حسنین رضی اللہ عنہم ہی کو مراد لیتی ہے اور آیت تطہیر کا مصداق بھی انھیں ذواتِ اربعہ قدسیہ ہی کو سمجھتی ہے۔

آیتِ تطہیر کی یہ تفسیر لغت اور سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے اور سچ پوچھئے تو تفسیر بالرائے کی مصداق ہے اگر کسی صحیح روایت سے بھی یہ تفسیر ثابت ہوتی تو بھی لغت اور سیاق و سباق کے خلاف محض خبرِ واحد کی بنیاد پر آیت کی یہ تفسیر کرنا جائز نہ ہوتا بلکہ حدیث ہی میں کچھ تاویل کی جاتی مگر آیت کے مدلولِ صریح کا ترک ہرگز جائز نہ ہوتا نہ کہ یہ موضوع روایتیں۔ یہ تو کسی طرح قابل قبول ہی نہیں ہیں۔ سند کے ضعف سے قطع نظر ان کے متن اور سند میں اضطراب بھی اس قدر ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی انھیں قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہو سکتا بشرطیکہ وہ سبائی پروپیگنڈے کا شکار نہ ہو۔

پھر اگر بالفرض ان روایات کو کسی درجہ میں تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان سے بس یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے ان حضراتِ اربعہ کے متعلق دُعا فرمائی کہ ان کی بھی تطہیر کر دی جائے لیکن یہ تو کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حضرات اسکے مخاطب اور مصداق بھی ہیں بخلاف اسکے ان سے مزید تقویت اس خیال کی ہوتی ہے کہ آیت کی حقیقی مصداق اور خطابِ الٰہی کے شرف سے مشرف ازواج مطہرات علٰی نبینا وعلیہن الصلوٰۃ والسلام ہیں اور بات صاف تو یہ ہے کہ جسکی تطہیر کا ارادہ خود حق تعالیٰ ہی نے فرمایا ہو اسکی تطہیر کیلئے دعا کی کیا ضرورت ہے؟ بعض علمائے اہلسنت کا یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کہ آیت میں خطاب ازواجِ مطہراتؓ اور حضرات اربعہ موصوفہ دونوں سے ہے اور دونوں کی تطہیر مراد ہے علامہ ابن کثیر نے اس قول کو ترجیح دی ہے لیکن حق یہ ہے کہ آیتِ تطہیر میں خطاب صرف ازواج مطہرات کو ہے اور یہ آیت تنہا بلا شرکتِ غیرے انھیں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اس مختصر مقدمہ میں مقصد محض موضوعِ کتاب کا تعارف ہے کتاب میں آپ کو اس کی تفصیلی بحث اور اطمینان بخش ملے گی اللہ تعالیٰ مولٰنا سراج الحق صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انھوں نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا اور اُمت کو بے راہ روی سے روکنے کیلئے جرأت مندانہ اقدام فرمایا۔ "جرأت مندانہ"

کا لفظ میں نے اسلئے استعمال کیا ہے کہ اس زمانہ میں اس موضوع پر قلم اٹھانا واقعی جرأت و ہمت کا کام ہے جسکی دو وجہیں ہیں :- پہلی وجہ یہ ہے کہ غیروں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر علماء و عوام کی ایک بہت بڑی تعداد اس مسئلہ میں شیعوں کی ہمنوا بن چکی ہے اور یہ غلط خیال ذہنوں میں مختلف اسباب کی وجہ سے اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ اس کے خلاف کچھ سُننا ہی بار خاطر ہوتا ہے توجہ اور قبول تو در کنار رہا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر ایک ایسا گروہ بھی موجود ہے جو حق و باطل سے قطع نظر کر کے فی نفسہٖ اس قسم کے مباحث چھیڑنے ہی کو مذموم سمجھتا ہے۔ اس گروہ کا یہ طرزِ عمل اُمت کیلئے سخت مضرت رساں اور گمراہ کُن ہے اور افسوس تو اس کا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کو اُمت کی خیرخواہی سمجھتے ہیں ان حالات میں اس موضوع پر کچھ لکھنا یقیناً ایک پسندیدہ اور قابل قدر جرأت ہے۔

موقع کی مناسبت سے دو کلمے اس جماعت کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں جو اس قسم کے مباحث چھیڑنے کو قابلِ مذمت سمجھتی ہے انکا کہنا ہے کہ اس قسم کے مباحث چھیڑنے سے اتحاد بین المسلمین کے آبگینہ کو ٹھیس لگتی ہے جو اس زمانہ میں بہت اہم مطلوب ہے لیکن انکی یہ دلیل بہت کمزور ہے آخر کس دلیل شرعی سے ثابت ہے کہ اتحاد بین المسلمین ہر حالت میں مطلوب ہے خواہ اسکا نتیجہ ہدایت ہو یا ضلال، خیر ہو یا شر۔ کوئی فائدہ ہو یا ضرر؟ اس کے معنی تو یہ ہونگے کہ پھر علماء اہلسنت اپنے عوام کے سامنے کبھی عقائد اہلسنت کا اظہار ہی نہ کریں اسلئے کہ انکے بکثرت عقائد ایسے ہیں جن سے اسلام کے نام لیوا دوسرے فرقوں میں سے کسی نہ کسی کو اختلاف ہے مثلاً (۱) اگر ہم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول کہتے ہیں تو اس سے شیعہ صاحبان کو شدید اختلاف ہوتا ہے (۲) یا اگر ہم ختم نبوت کا عقیدہ بیان کرتے ہیں تو اس سے قادیانیوں کے کام و دہن تلخ ہو جاتے ہیں (۳) یا اگر ہم کلمہ توحید کی واضح تشریح کرتے ہیں اور جاہل مسلمانوں کے خیالات و اعمال اور انکی شرک آمیز رسوم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اُمت کا ایک بہت بڑا گروہ۔ جو قبر پرستی۔ اوہام پرستی۔ پیر پرستی وغیرہ میں مبتلا ہے اہل حق سے ناراض ہو جاتا ہے اب اگر ان "صلح کل" حضرات کا اصول برتا جائے تو اس کے دو معنی ہوں گے ایک یہ کہ ہم توحید، ختم نبوت، خلافت وغیرہ اہم اجزاء دین کا بیان کرنا ہی چھوڑ دیں اور عوام مسلمین کی ہر گمراہی کو خندہ پیشانی کے ساتھ گوارا کرتے رہیں اور دوسرے یہ کہ "دین حق پر ہر طرف سے گولہ باری اور حملے ہوتے رہیں تو ہوتے رہیں مگر اسکی مدافعت اور نصرت کو خبردار کوئی نہ اٹھے کہ اس سے

اتحاد قومی پہ حرف آتا ہے"۔ خدارا کوئی ہمیں بتائے کہ کیا شرعاً و عقلاً اس قسم کا سکوت جائز ہے؟ اور کیا اس امت کے عوام و علما سے اس سکوت پر قیامت میں باز پرس نہ ہوگی؟ اور کیا محض اتحاد کے مقصد پر ایمانیات کو قربان کر دینا کسی طرح بھی درست کہا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو صحابہ کرام رضی اور ازواج مطہرات کے متعلق عقائد اہلسنت کا بیان کیوں مذموم ہے؟

اسکے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا یہاں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آخر حضرت صدیق اکبر رضی نے اتحاد بین المسلمین کا لحاظ کیوں نہ کیا؟ حضرت عثمان ذی النورین آخر اتحاد بین المسلمین کے پیش نظر خلافت سے دستبردار کیوں نہ ہو گئے؟ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قتال کیوں فرمایا؟ صلح فرما کر اتحاد بین المسلمین قائم رکھنے کی کوشش کیوں نہ فرمائی؟ یہ سب حضرات اسی لئے نہ کہ اس نام نہاد اتحاد کے خلاف ان حضرات کو نصوص یاد تھیں۔ بس اسی طرح یہاں بھی بعضوں کے سامنے یہ نصوص ہیں کہ (۱) اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم (مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ)
(۲) اذا ظہرت الفتن (او قال البدع) وسب اصحابی فلیظہر العالم علمہ الخ (مرقات ج ۵ ص ۵۱۸)
تو ان نصوص کے یاد رہتے ہوئے وہ سکوت کیسے کریں اور مواخذۂ آخرت کے نہ ہونے کا اطمینان انھیں کیسے ہو؟

غرض اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کا مندرجہ بالا طرز عمل بے محل اور اتحاد کی کوشش، صحابہ کرام کے طرز عمل کے بالکل خلاف ہے۔

اس گروہ میں بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو دینی مباحث کے بارے میں تو اتحاد بین المسلمین کا واسطہ دے کر سکوت کا مشورہ دیتے ہیں لیکن اگر کوئی سیاسی مسئلہ مثلاً الکشن یا کوئی انکا ذاتی معاملہ در پیش آجائے تو یہی صاحبان پوری قوت کے ساتھ فرقہ سازی اور اتحاد بین المسلمین کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ اس کا نفسیاتی سبب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں دین کی عظمت کم ہے اس لئے دینی بحثوں کی وجہ سے کسی کی نگاہ میں نامقبول ہونا انھیں گوارا نہیں ہوتا ہاں دُنیا کیلئے وہ سب کچھ گوارا کرنے کو تیار رہیں۔

بعض علماء اور متقی دیندار لوگ ایسی بحثوں کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ ان بحثوں میں پڑنا اضاعت وقت اور لایعنی میں داخل ہے اس لئے کہ قیامت کے دن اس کے متعلق ہم سے کوئی سوال نہ ہوگا۔

معلوم نہیں یہ بات وہ کس بنیاد پر کہتے ہیں اور کس دلیل سے ان پر یہ منکشف ہوا ہے کہ مباحث مدارج و مراتب صحابہ، مصداق اہلبیت وغیرہ کے متعلق اُمت کی کوتاہی پر قیامت کے دن کوئی سوال نہ ہوگا! اور اس بارہ میں صحیح العقیدہ اور فاسد العقیدہ دونوں کو یکساں سمجھا جائے گا؟

درحقیقت یہ حضرات ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن سب مسلمان عقائد و اعمال کی مسئولیت میں یکساں ہونگے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص سے اس کے علم، اسکی فہم اور اسکے حالات کے مطابق سوالات ہونگے بطور مثال اسی مسئلہ کو لے لیجئے جو کتاب ہٰذا کا موضوع ہے یعنی اہلبیت سے کیا مراد ہے؟ اور اس لفظ کے مصداق کون حضرات ہیں؟ فرض کیجئے کہ ایک عامی مسلمان جو صرف توحید، رسالت اور آخرت کا اجمالی عقیدہ رکھتا ہے۔ اُس نے نہ کبھی اہلبیت کا لفظ سُنا اور نہ وہ اسکے حقیقی یا مجازی مفہوم سے واقف ہے نہ اسکے سامنے کبھی یہ مسئلہ آیا تو قیامت کے دن وہ تو اس مسئلہ میں مسئولیت سے محفوظ رہے گا۔ لیکن جو شخص اس لفظ سے واقف ہے اور علم صحیح کا ذریعہ رکھتے ہوئے بھی اُس نے اسے صحیح سمجھنے کی کوشش نہیں کی یا بغیر کسی وجہ و جیہہ کے علم صحیح سے اعراض کیا تو یقیناً اس سے قیامت کے دن اس کے بارہ میں سوال ہوگا۔ اور اگر علم صحیح حاصل کرنیکی استطاعت کے باوجود علم نہیں حاصل کیا تو اس کوتاہی پر گرفت ہوگی اور اگر صحیح عقیدہ کا علم ہو جانیکے باوجود اسے بلا دلیل رد کر دیا تو حق سے اعراض کرنے اور باطل پر عقیدہ رکھنے پر گرفت ہوگی۔ یہ مسائل چونکہ آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے اس قدر مشہور ہو چکے ہیں کہ پڑھے لکھے عوام مسلمین میں شاذ و نادر ہی ایسے اشخاص ہونگے جن کا ذہن ان سے خالی ہو اب جن کے سامنے دونوں پہلو آ چکے ہیں اُن میں سے ایک پہلو کو متعین کرنا اور حق کو معلوم کرنے کی بقدر استطاعت، کوشش کرنا یقیناً انکے ذمہ ہے اور قیامت کے دن انکی مسئولیت سے وہ ہرگز بری نہیں کہے جاسکتے۔ یہ حال تو عوام کا ہے۔ رہا علماء کا معاملہ تو اس میں کسی کلام کی گنجائش نہیں کہ جب یہ مسئلہ انکے اور عوام کے سامنے ہے اور اس طرح سامنے ہے کہ اس سے صرف نظر کرنا غیر ممکن ہے تو احقاق حق اور ابطال باطل کرنا اور عوام کو صحیح عقیدہ سے روشناس کرانا ان کی اہم ذمہ داری ہے قیامت کے دن ان سے دو سوالات ہوں گے ایک خود ان کے اپنے عقیدے کے متعلق اور دوسرا عوام کی ہدایت و رہنمائی کے متعلق۔

یہاں ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اس قسم کے عقائد مثلاً مصداق اہلبیت کا تعین وغیرہ اگرچہ مدار کفر و ایمان نہیں ہیں اور اس لحاظ سے ان کی اہمیت

اسلام کے بنیادی عقائد توحید و رسالت و آخرت کے برابر نہیں ہے لیکن فی نفسہٖ ان کی اہمیت سے مطلقاً انکار کر دینا بھی سخت غلطی ہے۔ اس کے علاوہ اس لحاظ سے بھی ان کی اہمیت بہت ہے کہ ان کی صحت یا غلطی سے دوسرے بعض بنیادی عقائد بھی متاثر ہوتے ہیں خصوصاً عقیدۂ رسالت پر تو ان کا بہت قوی اثر پڑتا ہے تعجب کی بات ہے کہ مندرجہ بالا قسم کے حضرات کا طریقہ عقائد مشار الیہا کے متعلق تو سکوت و اسکات ہے لیکن جب یہی حضرات آمین یا رفع یدین کے قسم کے فرعی اور مجتہد فیہ مسائل پر بحث فرمانے لگتے ہیں تو ان کی زبان کی روانی اور قلم کی جولانی قابل دید ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ ہیں مسائل واقعی ایسے کہ جن کا کوئی سوال قیامت کے دن نہ ہوگا اور جس پہلو کو بھی صحیح سمجھ کر اخلاص سے اختیار کیا جائے گا وہ عند اللہ مقبول ہوگا۔

جناب مصنف پر شاید یہ اعتراض بھی کیا جائے گا کہ انھوں نے تعیین اہلبیت کے سلسلہ میں کچھ محدثین و مفسرین کا تخطیہ کیا ہے جو ایک نوع کی سوء ادبی ہے یہ اعتراض بظاہر بہت وزنی لیکن حقیقت میں بالکل بے وزن ہے جس کے کئی وجوہ ہیں :- (۱) حضرات محدثین و مفسرین معصوم نہ تھے ان سے بھی غلطی کا صدور ہو سکتا تھا اور ہوا۔ اگر کسی کو کتاب و سنت اور اقوال و اعمال صحابہؓ کی روشنی میں ان کی کوئی غلطی نظر آئے تو پھر اس کا اس غلطی ہی پر قائم رہنا اور اسے غلطی کہنے سے گریز کرنا، اُن محدثین وغیرہم کے ساتھ کوئی ادب کا برتاؤ ہو تو ہو لیکن خود کتاب و سنت اور اقوال و اعمال صحابہؓ کے ساتھ تو یقیناً ایک نوع کی سوء ادبی ہے اب یہ فیصلہ عقل سلیم ہی کر سکتی ہے کہ کتاب و سنت وغیرہ کے ساتھ سوء ادبی زیادہ معیوب ہے یا بعد کے محدثین و مفسرین کے ساتھ ؟ یہ تو اُس وقت ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس قسم کا تخطیہ کوئی سوء ادبی ہے بھی۔ مگر حق یہ ہے کہ غیر معصوم کی رائے سے اختلاف یا اس کی رائے کو غلط کہنا ہرگز کوئی سوء ادبی نہیں کہی جا سکتی دیکھئے امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے پر اپنے مقدمہ صحیح مسلم میں کیسے تیز و تند لہجہ میں تنقید کی ہے رجال کی کتابوں میں ممتاز محدثین کے اوپر بھی اہل فن نے کس طرح صاف صاف جرح کی ہے اور روایت کے بارہ میں ان کی غلطیاں کس طرح واضح کی ہیں مگر کسی نے بھی اسے سوء ادبی سے تعبیر نہیں کیا اسی طرح مختلف فیہ مسائل میں ایک امام کے متبعین دوسرے امام کی رائے کو مرجوح قرار دیتے ہیں۔ بعض محدثین کا تخطیہ کرتے ہیں۔ مفسرین سے اختلاف کر کے ان کی بعض تفسیروں کو غلط کہتے ہیں یہاں تک کہ

بعض اوقات تو بعض صحابۂ کرامؓ کی آرا کو غلط کہدیتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک زمانہ تک اس بات کے قائل رہے کہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرأت ہے ہی نہیں اگرچہ بعد کو انھوں نے اس سے رجوع فرما لیا لیکن ان کی قبل رجوع کی رائے غلط تھی۔ بہرحال کہتا ہے اور کہے گا۔ تو کیا یہ سب سوء ادبی میں داخل ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تعیین اہلبیت کے مسئلہ میں آج کسی محدّث کا تخطیہ کرنا سوء ادبی کیوں ہے؟ (۲) مصنّف اپنے نظریہ میں منفرد نہیں ہیں بلکہ محدّثین و مفسّرین کا ایک گروہ ان کے ساتھ ہے ایسی صورت میں اگر وہ ایک گروہِ اکابر کا تخطیہ کرتے ہیں تو دوسرے گروہ کی تائید و تصویب بھی تو کرتے ہیں فتلک بتلک۔ اس حالت میں جبکہ عوام کی غلط فہمی بلکہ بعض صورتوں میں گمراہی کا اندیشہ ہو اور صرف اندیشہ نہیں بلکہ یہ واقعہ بھی ہو تب توصحیح بات کا واضح کرنا واجب ہے اور اس توضیح کے لئے بعض ایسے حضرات کا تخطیہ ناگزیر ہے جنھوں نے اس مسئلہ میں غلط راستہ اختیار کیا ہے۔ (۳) ایک دو کیا سوپچاس مسائل میں بھی اگر حضرات اکابر کی رائے کی غلطی ثابت ہو جائے تو بھی ان کی جلالتِ شان میں یا ان سے عقیدت میں کوئی کمی نہیں پیدا ہوتی۔ دیکھئے علمار احناف متعدد مسائل میں خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فتوے سے اختلاف کرتے ہیں ایسے ہی دوسرے ائمہ کرام کے متبعین بھی کرتے ہیں لیکن کیا اس سے ان حضرات کی جلالتِ شان اور ان کی ذہنی و علمی فوقیت و برتری میں ذرہ برابر بھی نقص واقع ہوتا ہے؟

آیت تطہیر کی غلط تفسیر دراصل امہات المومنین علیٰ نبینا وعلیہن الصّلوٰۃ والتسلیم کی حق تلفی، ایک قوی دلیل نبوت سے بے اعتنائی، اور شیعیت قبول کرنے کی صلاحیت میں قوت و افزودگی ہے یہ سب امراض عرصہ دراز سے اہلسنت والجماعت کو لاحق ہو گئے ہیں جو مآل کے لحاظ سے یقیناً بہت ہی خطرناک ہیں۔ اس لئے فاضل مصنّف کی یہ کوشش جو انھوں نے اہلبیت کی صحیح تشریح فرما کر کی ہے میرے نزدیک دین کی ایک اہم خدمت اور بہت قابل قدر اور قابل ستائش ہے فجزاہ اللہ احسن الجزار فی الدنیا والآخرہ۔

احقر العباد — دار العلوم ندوۃ العلماء

محمد اسحاق صدیقی سندیلوی عفا اللہ عنہ — لکھنؤ ۲ر جمادی اولیٰ ۱۳۸۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس ناچیز کوشش کو جمیع سیدات امہات المومنین اہلِ بیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیہن و بارک وسلم " کی طرف معنون کرنے کا فخر و شرف حاصل کرتا ہوں جو دنیا میں آنحضرتؐ کی شب و روز کی شریک زندگی ہونے کے باعث دوگنی صحابیت اور دوہری فضیلت کی مالک تھیں اور آخرت میں بلاشرکت، صرف وہی اہلبیتِ رسولؐ و صحابیات رسولؐ ہوں گی رضی اللہ عنھن و ارضاھن احسن الرضا۔

امہات المومنین کا ایک سیہ کار فرزند

سراج الحق مچھلی شہری غفرلہ

باسمہ

حَامِدًا وَّمُتَنِبًا	مُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا	مَادِحًا وَّمُبَجِّلًا	زَاجِرًا وَّمُسْتَغْفِرًا
لِلّٰہِ تَعَالٰی	عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم	لِلصَّحَابَۃِ الْکِرَام	لِلنَّفْسِ الدَّنِیَّۃ

مُقدّمہ

اس احقر محمد مدعو بہ سراج الحق (بن حافظ فضل حق) مچھلی شہری غفر لہما کا یقین ہے کہ اگر کبھی اُمّتِ مسلمہ کی گمراہیوں کی کوئی فہرست مرتّب کی جائے گی تو اس میں اُن کی "قرآن حکیم سے دوری اور بیگانگی" کی گمراہی سرِ فہرست درج کئے جانے کے قابل ہے مختلف فتنوں کے باعث، عہدِ تابعینؒ ہی سے اُمّت کے عامی اور عالم، بعض آیات کی تفسیر وتاویل میں اختلاف اور منشاءِ خُدا و رسولؐ سے کچھ کچھ انحراف کرنے لگے۔ کذّاب اور وضّاع راویوں کا فریب اتنا گہرا تھا کہ جب اُنھوں نے اپنی اغراضِ فاسدہ سے روایات گھڑ کر حضرات صحابہؓ یا خود رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے انھیں مسلمانوں میں شائع کیا تو اس پر یقین کرنے کے لئے ہر زمانہ میں نہ صرف عوام بلکہ اہلِ علم میں سے بھی ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی۔ اس قسم کی گمراہیوں میں سے ایک وہ ہے جو قرآنی لفظ "اہلبیت" کے مصداق ومفہوم کے بارہ میں اُمّت میں عرصہ سے پھیلی ہوئی ہے۔

۲۔ کچھ اعداءِ دین نے تخریبِ دین اور تفریقِ ملّت کے لئے حضرات ذواتِ اربع (سیدنا علی وفاطمہ وحسنینؓ رضی اللہ عنہم کو آڑ اور ذریعہ بنایا اور ان کے احترام کے پردہ میں اُمّت کو خوب خوب فریب دئے ہیں چونکہ ان ذواتِ اربع کو حضرت فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت تھی اس لئے مسلمانوں نے بخوشی اس پھندے میں پھنسنا گوارا کیا اور اسے بالکل بھول گئے کہ شیطان نے بہت سی اُمّتوں کو دین کے رنگ میں اور پیغمبرِ وقت کی ذات یا ان کے گھرانہ کی محبت کے پردے میں راہِ حق سے بہکا بہکا دیا ہے کہیں ہمیں بھی نہ بہکا رہا ہو شیطان نے حق تعالیٰ کے سامنے دعوا کیا ہے کہ میں آدم کی اولاد کو داہنے بائیں آگے پیچھے

ہر طرح سے بہکاؤں گا اور حضرت رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ میں سے صرف سیدنا علیؓ ہی سے فرمایا تھا کہ

"تمہارے بارہ میں دو جماعتیں جہنم میں جائیں گی ایک زیادہ محبت کرنے والی اور ایک دشمنی کرنے والی۔"

حضورؐ کی اس تنبیہ اور تحذیر کے بعد اُمت کے عوام و علما و صوفیہ کو لازم تو یہ تھا کہ حضرت علیؓ اور ان کے گھرانہ کے متعلق بہت چوکنے اور محتاط رہتے حد سے تجاوز نہ کرتے مگر اُمت کے عوام تو عوام علما و صوفیہ نے بھی آنحضرتؐ کی تحذیر کو تو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا اور شیطان کے اس پھندے کو "محبتِ رسول کا زریں طوق" جان کر بخوشی پہن لیا یہاں تک کہ بعض احادیث بلکہ بعض آیات کی غلط تاویل تک انھوں نے قبول کر لی اور اُسے آئندہ نسلوں تک بڑے اہتمام سے پہنچایا۔ بعد کی نسلوں نے بھی اُسے جوں کا توں لے لیا اُسے نقد و درایت سے بالاتر جانا اور اگلوں کا ایک متبرک ورثہ سمجھ کر اُسے اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کر کے بعد والوں تک پہنچایا۔

۳۔ اخلاف نے جب کبھی اسلاف کے ورثہ پر قناعت کر لی اور اسکی چھان بین۔ نقد و نظر۔ تحقیق و تفتیش سے استغنا برتا ہے تو صحیح سے صحیح چیزوں تک میں زوال اور خلل پہنچ کر رہا اور اگر کہیں وہ چیز اپنی اصل ہی میں فاسد اور نادرست رہی ہے تب تو اس کا فساد عجیب عجیب رنگ لایا ہے۔ راز اس کا یہ ہے کہ اگر علما وقتاً فوقتاً برابر تحقیقِ حق اور تردید باطل نہ کرتے رہیں گے تو ابتدا کا حق سے ایک معصوم سا اختلاف اور معمولی سا انحراف بھی آگے چل کر بڑی بڑی گمراہیوں کا سبب بن سکتا ہے۔ آغاز کی معمولی سی غلط تاویل کو قبول کر لینا اور اس پر سکوت اور رضا کچھ مدت گذر جانے پر ایک طرف تو کج طبائع کے لئے صحت کی سند بن جاتا ہے اور دوسری طرف بہت سی دیمکیں مثلِ نسیان۔ حذفِ اجزا۔ وہم۔ جوشِ عقیدت۔

اختلاطِ اقوال۔ تقلید شہرت۔ تقلید آبا۔ استخفافِ اہم۔ اہتمام غیر اہم کتاب ایمانی میں لگ جاتی اور اُسے برباد کر چھوڑتی ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں کوئی دُشمنِ دین پہلے ہی سے گھات میں لگا ہوا اور اہلسنّت کے عقائد کی تحریف و تبدیل پر تُلا بیٹھا ہو جیسا ابن سبا یہودی کا عزم و عمل سب کو معلوم ہے تب تو دینِ حق اور عقائدِ حقہ ہیں۔ گو وہ ابدی اور محفوظ ہیں پھر بھی۔ کچھ نہ کچھ تغیر و تحریف کا پیدا ہو جانا یقینی ہے اس لئے دین حق کا یہ حق تمام اہلسنّت پر تھا اور ہے اور رہیگا کہ ہر عقیدہ اور ہر روایت میں پورے تیقظ اور باخبری سے کام لیں خاص کر اُن عقائد اور امور میں۔ جن میں بدمذہبوں کی ذرا بھی دراندازی محتمل ہو۔ برابر شبہہ کا احتمال رکھیں اور تحقیق کی نظروں سے ان کی چھان بین کرتے رہیں۔ فنِ رجال کی مدد سے کذاب اور وضاع۔ مُتّہَم بالکذب اور معروف بالرفض والخروج راویوں کی بھی اور مجروح روایات کی بھی ایک فہرست حاضرالاخبار خود تیار و مرتب کریں یا اس فن کے ماہرین سے مرتب کرائیں ورنہ (جیسا ایک ابتدائی خاکہ میری دوسری کتاب میں آپ کو نظر آئیگا) کم سے کم اس وقت تک کی پیش آمدہ تحقیقات و تنقیدات ہی کو جمع کر کے ہر وقت پیش نظر رکھیں۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ صدیوں سے اُمت بعض مسئلوں میں بُری طرح تقلید کورانہ اور سکوتِ مجرمانہ میں گرفتار ہے۔ آج اُن کا مبلغ علم ان امور میں صرف پچھلے علما کے اقوال و آرا ہیں اور بس۔ وہ اگر کسی مسئلہ میں تحقیق کرنا چاہیں گے تو بلا غور و فکر اُنھیں کے اقوال و آرا کو جمع اور نقل کر دیں گے۔ شروحِ حدیث میں اگر وہ ابن التین۔ قرطبی۔ سیوطی۔ کرمانی وغیرہم علما کے

لے رسالہ تجلی دیوبند کی اشاعت مارچ ۱۹۶۱ء میں مسٹر مظہر عزیز سہیل بی اے نے اپنے مقالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ بخاری کی حدیث [اول جیشٍ یغزو مدینۃ قیصر] میں محدث ابن التین پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسولؐ کی اس یقینی بشارت میں یزید کو داخل ہوتا دیکھ کر ایک عام اور ضعیف مفروضہ کے قیاس پر پوری کوشش کر کے یزید کو اس بشارت سے نکالا ہے (ص ۹۱) یہ آخر ان کا ذاتی ہی قول تو ہے مگر بعد کے ہر محدث نے اس کو صحیح اور مسند مان کر نقل در نقل ہی کیا ہے ۱۲ واللّٰہ اعلم

کے نام دیکھ لیں گے تو غایتِ احترام سے اپنی عقلوں کو مفلوج کر کے انھیں اقوال پر اعتماد و اطمینان کر لینا عین علم اور تمامِ علم سمجھیں گے۔ اور ایک فیصدی بھی اس کا امکان تسلیم نہ کریں گے کہ شاید ان بزرگوں ہی سے غلبۂ محبت۔ تقلیدِ آبا۔ فریب خوردگی مفسدین۔ غلطی استدلال۔ مسحوریتِ شہرت۔ مرعوبیتِ عوام وغیرہ کے باعث استنتاج اور استنباط میں غلطی ہو گئی ہو اس لئے احتیاط اور اطمینان قلب کے لئے اُن کے اقوال و آراء کو۔ خصوصاً اس امر کے پیشِ نظر کہ آنحضرتؐ روحی فداہ بعض گروہوں سے بہت تحذیر فرما گئے ہیں۔ کتاب اللہ و حدیث رسول اللہؐ پر عقل سلیم کی کسوٹی پر کس کر دیکھ تو لیں غلطی بڑے بڑوں سے ہو گئی ہے۔ مثلاً یہ مضمون کہ عہدِ موسیٰ میں بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں فرض تھیں تفاسیر خازن۔ بیضاوی۔ ابو السعود۔ روح البیان میں ہے اور عینی۔ ملا جیون۔ قاضی ثناء اللہ وغیرہم جیسے علما نے لکھا ہے مگر مولانا عثمانی رح نے اپنے تفسیری فوائد میں لکھا ہے کہ یہ غلط ہے صرف دو نمازیں فرض تھیں اس لئے سمجھنا چاہیئے تھا کہ نہ تو مشہور عقائد کی تحقیق کر کے علم ذاتی حاصل کرنے میں کوئی حرج ہے اور نہ کسی عالم کی ایک بات کی غلطی معلوم ہونے سے ان کے مسلّم الکل وقار و احترام میں کوئی فرق آتا ہے۔ اسی سے یہ زرّیں اصول بھی نکلتا ہے کہ "..... اِنَّ فَضْلَهُمْ لَا يُوْجِبُ قَبُوْلَ كُلِّ مَا قَالُوْا" = ان بڑے لوگوں کی فضیلت سے یہ واجب نہیں ہو جاتا کہ وہ جو کچھ کہدیں سب کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ (اعلام الموقعین از ابن قیم)

اسی کو امام شاطبی غرناطی اپنی کتاب الاعتصام میں یوں فرماتے ہیں:۔

"..... اِنَّ الْحَقَّ هُوَ الْمُعْتَبَرُ دُوْنَ الرِّجَالِ" ۔ اصل اعتبار مسئلہ علمی کا ہونا چاہیئے بڑے آدمیوں کا نہیں۔

۴۔ بظاہر لفظ اہلبیت پر کسی تفصیلی بحث کی حاجت نہ معلوم ہوتی ہوگی اس لئے

کہ پہلے تو قرآن ہی نے اس کا مصداق و مفہوم ایسا کافی واضح کر دیا ہے کہ بجز مفسد و معاند کے کسی کو اس سے انحراف کی گنجائش نہیں پھر ہر زمانہ میں بعض بعض علماء متقنین نے تفاسیر میں یا علم کلام میں بھی اس کو خوب واضح کر دیا ہے مگر بدقسمتی سے اس میں پیچیدگی اور اہمیت اس لئے پیدا ہو گئی کہ وفاتِ نبوی سے بیس۲۰ اکیس ہی برس بعد ابن سبا نام ایک دشمنِ اسلام ریاکاری و نفاق کے ساتھ مسلمان ہوا۔ اس نے تفریقِ اُمّت کی نیت سے ایک ایرانی نظریہ "افضلیتِ نسل شاہی" کو سیاسی ضرورتوں سے اہلبیتؑ کے مفہوم میں لا ملایا اور پھر اپنے مکر سے اُسے ایسا ایسا دلکش بنا کر عوام میں پھیلایا کہ اب یہ مسئلہ عظمتِ رسولؐ۔ محبّتِ رسولؐ کے ناموں سے "دامِ ہمرنگ زمیں" بن کر بہتیرے طائرانِ لاہوتی تک کی گرفتاری کا سبب بن گیا۔ یہاں تک کہ آج حسبِ ذیل خیالات، سُنّی عوام بلکہ بعض علما تک میں پھیل گئے ہیں:۔

(الف) اہلبیتِ رسولؐ میں ازواجِ رسول داخل نہیں۔ چنانچہ اہلسنت کی بعض متداول و مستند کتب حدیث میں آپ دیکھیں گے کہ بابِ فضل یا مناقب ازواج النبیؐ الگ قائم کیا گیا ہے اور باب مناقب اہل بیت النبیؐ الگ۔ اگر یہ امامانِ حدیث اپنی تصانیف میں استعمالِ قرآن کو مشعلِ راہ بنا کر باب تو قائم کرتے مناقب اہل بیت النبی ہی کا اور اسکے ذیل میں ازواج و ذُرّیت دونوں ہی کے متعلق احادیث لاتے تو نہ یہ قرآن و حدیث کے خلاف ہوتا نہ لغت کے۔ نہ اس میں کسی کی حق تلفی لازم آتی نہ اُمّت میں کسی غلط عقیدہ کے گھس آنے کے لئے چور دروازہ کھلتا مگر انھوں نے ازواج کو اہلبیت سے الگ کر کے صاف ظاہر کر دیا کہ وہ خود بھی ازواجِ رسولؐ امہات المومنینؓ کو اہلبیت میں داخل نہیں سمجھتے اور ان کی اس تفریق سے رہتی دُنیا تک کے ہر ناظر کو بھی تاثر و تخیّل ملتا رہیگا جس کو وہ کسی طرح روک نہیں سکتے، کہ ازواج، اہلبیت میں داخل نہیں۔ ازواج دوسری ہیں اور اہلبیت دوسرے۔ اب قرآن لاکھ کہتا رہے کہ "اہلبیتِ رسولؐ صرف ازواجِ رسول ہیں" اور عکرمہ

ع۵ دیکھو مشکوٰۃ۔ ترمذی نے اگرچہ مناقب حسنین کے باب الگ بھی لکھے مگر اہلبیت کے باب سے ذوات اربع ہی

مدینہ کے بازاروں میں ہزار پکارتے پھریں کہ "اِنَّھَا (اے آیۃ التطہیر) نَزَلَتْ فِی نِسَاءِ النَّبِیِّ خَاصَّۃً" (یہ آیت اہلبیت وتطہیر صرف ازواج رسول کے بارہ میں اتری ہے) مگر ان امامانِ حدیث کی یہ زراسی لغزشِ لفظی اور سہوِ قلمی یہی تاثر دیتی رہے گی کہ جی نہیں! اہلبیتِ رسول تو صرف ذواتِ اربع (یعنی حضرات علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم) ہیں جو اہلبیتِ حدیثی ہیں۔ رہیں ازواج رسولؐ۔ اُمّہات المومنین۔ ربّاتُ البیوت جو اہلبیتِ قرآنی ہیں تو وہ نہ تو اہلبیت کی مصداق ہیں اور نہ ان میں داخل!

(ب) حضرات علیؓ و حسنینؓ و دیگر بنو فاطمہؓ کبار صحابہؓ بلکہ خلفا ثلاثہ رضی اللہ عنہم تک سے افضل ہیں اس لئے کہ اولاد رسولؐ ہیں۔

(ج) حضرات علیؓ اور حسینؓ اور صرف حسینؓ کی دس پشتوں کے صرف ایک ایک صاحبزادے امام اور معصوم ہیں (اسی لئے ان کو امام اور علیہ السلام کہتے ہیں کہ نہ ان سے رائے کی غلطی ہوتی تھی نہ بشری لغزش)۔

(د) مذکورہ بالا اعتقاد کے نتیجہ میں چند صحابہ مثل حضرات ابو سفیان معاویہ مغیرہ۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بے ادبی اور گستاخی سے گفتگو کرتے ہیں۔

۵۔ چونکہ تحقیق و تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ اہلبیت کا مطلب، ایک عرصۂ دراز سے اہلسنّت کا ایک جمِّ غفیر بھی غلط سلط جانتا اور مانتا ہے۔ ایسے وقت میں ہم اپنے ذمّہ خود قرآن پاک کا بھی حق سمجھتے ہیں کہ اس کے (زیادہ نہیں تو) ایک ہی لفظ کے متعلق تفسیر و تشریح کرکے قرآن کے خریداروں میں شامل ہونے کا فخر حاصل کریں اس کے ساتھ ہم سیدات امّہات المومنینؓ اہلبیتِ قرآنی کا بھی حق سمجھتے ہیں کہ اہلسنت جو اُن کی حق تلفیاں کرتے رہے ہیں تو ہم اُمّہات کی کچھ نصرت کریں نیز برادران اہلسنّت کا بھی حق

سمجھتے ہیں کہ ان کو صحیح علم پہنچائیں اور اس طرح اس زمانہ میں جب صحابہؓ کی بدگوئی اور حق تلفی برابر ہو رہی ہے اس تحریر کے ذریعہ اپنی نحیف آواز اٹھائیں اور "کتمان ما انزل اللہ" کی وعید سے بچ سکیں۔ یہ سچ ہے کہ بعض وقت حق کہہ دینے سے فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے مگر یہ بھی اُتنا ہی سچ ہے کہ بعض وقت بعض فتنوں کے دبانے کے لئے حق کو بلا خوف لومۃ لائم واشگاف کہنا عین دین اور مطلوب شرعی ہوتا ہے۔

۶۔ اس تحریر پر ناظرین کو غالباً کچھ اعتراضات ہوں گے:۔

ایک یہ کہ اس میں بعض جگہ بعض اہل علم (متقدم و متاخر) کے لئے رائے میں سختی اور تلخی ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ سختی اور تلخی قصدی و ارادی ہے اور اس یقین پر ہے کہ اُن اہل علم نے قرآن کے مضمون سے تغافل۔ صحیح عقیدہ سے اختلاف۔ امہات المومنینؓ کی حق تلفی اور صحابہؓ سے سوء ادبی کی ہے۔ پس میرا ذوق تو اُسے غیرتِ دینی ہی بتاتا ہے اور اس کی نظیر میں حضرت ابن عباسؓ کا وہ واقعہ یاد دلاتا ہے کہ جب اُن سے کسی نے کہا کہ نوفِ بکالی کہتے ہیں کہ خضر والے موسیٰ دوسرے ہیں اور بنی اسرائیل والے موسیٰ دوسرے ہیں تو انھوں نے فرمایا "کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰہِ" (اللہ کے اس دشمن نے جھوٹ کہا) دیکھیے یہاں بھی رائے میں سختی اور تلخی ہے اور صحابی رسولؐ کی زبان سے ہے اور ایک کامل الایمان تابعی کے بارہ میں ہے مگر ہے اسی غیرت میں کہ ان کو بکالی کی رائے مدلولِ قرآنی سے مختلف اور منحرف معلوم ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی اگر کسی شخص کی تحریر۔ کائناً من کان۔ مستند مدلول قرآنی سے مختلف اور منحرف نظر آئے اور کوئی اہل علم اور اہلِ غیرت اس کی تردید تیز و تلخ الفاظ میں کرے تو یہ صحابی کی اقتدا اور عینِ اتباع ہے پس مجھ پر مقدمہ کی صورت یوں نہ بنائے کہ سراج گستاخی کا مجرم ہے کیونکہ اس نے فلاں فلاں حضرات پر سخت تنقید کی ہے بلکہ بحکم البادی اظلم صورت یہ سمجھنی چاہیے کہ فلاں فلاں حضرات نے پہلے مدلولِ قرآنی سے انحراف کرکے

امہات المومنین کی حق تلفی کی تھی اور اس طرح ایک غلطی کو سہل اور محبوب بنا کر اعداء دین کے ہاتھ مضبوط کر دئیے تھے اس پر سراج نے غیظ للدین میں سختی سے ان پر نکیر کی ہے یہ ہو گی صحیح صورت مقدمہ! پس تنقیح طلب امر دراصل یہ ہے کہ آیا ان علما کی طرز تعبیر امت کی گمراہی کا سبب بنی یا نہیں۔ تو اس کا استفتا کر لیا جائے۔ ہاں فرضی اور وہمی سوءِ ظن کا تو کوئی علاج نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہو گا کہ اس زمانہ میں تو ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد ہو اور کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے قوم میں افتراق و انتشار پھیلے جو قوم کو کمزور کر دے اس لئے یہ تحریر تقاضائے وقت کے خلاف ہے جواباً عرض یہ ہے کہ "نرمی۔ صلح۔ اتحاد ہر جگہ محمود و مطلوب ہو" یہ کلیہ صحیح نہیں۔ حضرت سرورِ کائنات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً رحیم تھے اور منصب رحمۃ للعالمینی پر فائز تھے اور اس پر کبھی کبھی واخفض جناحک کی تعلیم و تاکید نے آپ کو اور بھی پیکر رحمت۔ داعی اتحاد بنا دیا تھا ایسی ذات کو بھی حق تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں کہ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ تو معلوم ہوا کہ بعض جگہ سختی اور بعض جگہ افتراق بھی مطلوب ہوتا ہے جن کی اصلاح سے نا امیدی ہو ان سے نرمی و اتحاد خود اپنی جماعت سے دشمنی کرنا ہے اور اپنی قوت کو کمزور کرنا ہے اور جب اپنی قوم کو دشمنوں کے فریب میں آتا دیکھے تو اس وقت "نابینا و چاہ" کی نظیر سمجھ کر اقدام و تعلیم عین طاعت ہے کیونکہ جس طرح بغض فی اللہ اور کفار پر شدت و غلظت جزو ایمان ہے اسی طرح حضرات صحابہ رض کی بدگوئی کے زمانہ میں عالم کو علم صحیح کا اظہار بھی جزو ایمان ہے اگر وہ اس وقت مصالح دیکھتا پھرے گا تو حق تعالیٰ کے یہاں اس کی گردن ناپ دی جائے گی اور کچھ بعید نہیں اگر اس کی فرض اور نفل عبادات بھی قبول نہ کی جائیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل فرماتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں"۔۔۔ اَمَّا انْقِطَاعُكَ اِلَيَّ فَتَعَزَّزْتَ بِيْ فَمَا ذَا عَمِلْتَ

لہ رہ گیا تمہارا صرف مجھ سے لو لگانا تو اس کے عوض تم کو میری نسبت سے (بقیہ صفحہ ۲۱ پر)

فیما لی علیک .... ھل عادیت فی عدوًّا او ھل والیت لی ولیًّا" بات یہ ہے کہ بعض عافیت کوش لوگوں کا یہ ایک مستقل نظریۂ حیات اور مسلک دینی بن گیا ہے کہ "کسی سے بُرے کیوں بنو؟" مگر دین کے صاحبِ غیرت عارفین اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

"اکثر صوفیۂ خام .... می گویند کہ راہ فقیری بدنا بودن است بہ ہیچکس .... عجب فقرا اند کہ راہِ پیغمبرِ خدا گزاشتہ راہِ دیگر اختیار کردہ و خلافِ طریقۂ مرضیۂ او گزیدہ عجب دعویٰ دوستی است کہ بہ دُشمنانِ او دوستی دارند" (مکتوبات معصومیہ ج ۳ ص ۸۹)۔

۷۔ آخر میں علماء عصر سے درخواست ہے کہ جس طرح وہ آمین بالجہر۔ رفع یدین۔ رکعات تراویح۔ مخرج ضاد۔ اثباتِ تقلید وغیرہا مسائل کو قابلِ اعتنا سمجھتے ہیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس پر کتابیں لکھی جاتی ہیں حالانکہ یہ فروع اعمال کے مسائل ہیں اُسی طرح اہلبیت کی تفسیر۔ مودۃ فی القربیٰ کی تفسیر۔ تفضیل شیخین۔ شہادت حضرات عثمان و حمزہ و حسین رضی اللہ عنہم کا تقابل۔ احادیثِ فتن کی تشریح۔ شہادت عمارؓ کے سلسلہ میں "الفِئَةُ البَاغِيَةُ" کی تحقیق و تعیین۔ اہلبیتِ حدیثی کے اکثر فضائل کی حدیثوں کے رجال کی تحقیق وغیرہا مسائل کو بھی ضروری اور قابلِ اعتنا سمجھیں (کیونکہ ان کا تعلق عقائد سے ہے) اور ان پر بھی تھوڑے تھوڑے وقفہ سے قلم اُٹھائیں یا تو کوئی نئی تحقیق ورنہ حال کی ایسی تحقیقات کو اپنے قلم سے دوبارہ لکھیں جن سے صحابہؓ کے بدگویوں کے افترا کا پردہ چاک ہوا ہے اور آج جب صحابہؓ کی بدگوئی اور اُمہات المومنین کی حق تلفی عام ہو رہی ہے انکی نصرت کرکے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں وباللہ التوفیق۔

(نوٹ بقیہ صفحہ ۱۲) عزت مل گئی تو بتاؤ تم نے میرے حق کے سلسلہ میں جو میرا تم پر ہے کیا کیا؟ کیا میرا خیال کرکے کسی دُشمن سے تم نے دُشمنی کی تھی؟ کیا میرے کسی دوست کو تم نے بھی دوست رکھا تھا" اور ظاہر ہے کہ صحابہ و امہات المومنین اللہ کے دوست ہیں ۱۲

فصل اوّل

اہلبیت کا لفظ قرآن او رحدیث میں

تمہید | قرآن پاک میں ہے: اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۝ یعنی اے نبیؐ کے گھر والو! اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ تم کو "ایسی" آلودگی سے دور ہی رکھے اور تم کو خوب پاک ہی رکھے (احزاب)

یہ آیت جس سیاق میں ہے اس کا سلسلہ پانچ آیات اوپر "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ" سے شروع ہوا ہے ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ ۹ھ میں جب ازواج رسولؐ نے یہ دیکھا کہ فتوحات وغنائم کی کثرت سے تمام ہی مسلمانوں کے گھروں میں خوشحالی کا دور دورہ ہے مگر ہمارے یہاں اب بھی فقروفاقہ ہے تو بمقتضائے بشریت، اُن کے دلوں میں بھی راحت اور فراغت کی خواہش پیدا ہوئی اور انھوں نے زوجیت کے نازواعتماد پر حضورؐ سے بےتکلفی اور اصرار سے درخواستیں کیں کہ ہم کو خرچ میں وسعت ملنی چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ایک تو خود ہی فکرِ آخرت، خوفِ خدا، اشاعتِ دین، اصلاح خلق کے خیال سے دائم الحزن رہا کرتے تھے۔ دوسرے منافقین مدینہ کی فتنہ انگیزیوں اور دل آزاریوں کے باعث بھی آپ فکرمند اوران کے اخلاص نہ قبول کرنے سے غمگین رہتے تھے ان افکار کے ساتھ جب ازواج کی طرف سے بھی یہ مطالبۂ فراغت سُنا توآپ کو بہت رنج ہوا۔ آپ کو طبعًا فقروفاقہ، عُسرت اور تنگی ہی کی زندگی پسند تھی توآپ فطرۃً یہ چاہتے تھے کہ میری ان سب رفیقات حیات کی بھی جو گویا میری جان کے دوسرے قوالب ہیں۔ پسند وہی ہو جو میری ہے مگران کی یہ درخواست ظاہر کرتی ہے کہ ابھی

انھوں نے یا تو میری پسند پہچانی نہیں یا ابھی ان کو اپنی پسند کو میری پسند میں فنا کرنا نہیں آیا۔ ابھی ان کے اندر ناز و نعمت اور دنیوی عیش و راحت کی طرف رغبت باقی ہے اور یہ قلّتِ مناسبت کی علامت ہے حالانکہ زوج اور زوجہ میں شیخ اور مُریدین، نبی اور صحابی میں حصول فیض کے لئے مناسبتِ تامہ شرط ہے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے بھی حضورؐ کی پُشت مبارک میں بوریا کے نشانات دیکھ کر افسوس کیا تھا اور خود معاشرتِ نبوی میں کچھ فراغت و فراخی کی تمنّا کی تھی حضورؐ کو ان کے اندر بھی قلّتِ مناسبت محسوس ہوئی تھی تو آپ نے کچھ ناگواری کے ساتھ ان کی تنبیہ اور تربیت فرمائی تھی فرمایا کہ "اے عمر! تمھیں اب تک میری پسند کی خبر نہیں، میں دُنیا میں فراخیٔ عیش نہیں چاہتا۔ میں تو بردِ عیش کو موت کے بعد ہی چاہتا ہوں۔ دُنیا میں فراخی اور بردِ عیش تو کُفّار کے لئے ہے"۔ حضرت عمرؓ بھی چونکہ اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے اس لئے ان کو اتنی ہی تنبیہ کافی ہوگئی اور دُنیا میں بردِ عیش سے دل سرد ہوگیا۔ ازواج میں ایک تو اتنی اعلیٰ صلاحیت نہ تھی دوسرے عورتوں کی فطرت ہی "یُنَشَّؤُ فِی الْحِلْیَۃِ" ہے کہ زیور اور زینت، عیش اور فراغت کے بغیر ان کو سکون اور راحت نہیں۔ حضورؐ کو ازواج سے تعلقِ خاطر زیادہ تھا اس لئے ان کی فراغت طلبی پر آپ نے ایسا رویّہ اختیار کیا کہ نہ صرف ازواج میں بلکہ تمام صحابہؓ میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ وہ یہ کہ آپ کبیدہ خاطر ہوکر ایک بالاخانہ پر جاکر مقیم ہوگئے اور عہد کیا کہ ازواج سے کلام نہ فرمائیں گے یہ واقعہ ایلاء کے نام سے مشہور ہے۔

اس حالت پر جب ایک ماہ گزر گیا تو آپ کو خُدا کا حکم پہنچا کہ ازواج سے دریافت کریں کہ اگر وہ نبیؐ کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہوں تو ان کو اسی طرح عُسرت اور تنگی فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنی پڑے گی اور اگر راحت فراغت اور خوشحالی کی زندگی چاہتی ہوں تو وہ نبی کے گھر میں نہیں رہ سکتی ان کو نبیؐ سے الگ ہوجانا پڑے گا۔ دو باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کریں یا

نبی کی ہمراہی اور عسرت یا نبی سے علیحدگی اور فراغت۔ یہ واقعہ تخییر کہلاتا ہے ایلا اور
تخییر کا زمانہ ایک ہی ہے۔ اتفاق سے اُسی کے قریب زمانہ میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آگیا
کہ حضورؐ نے کچھ بی بیوں کے ایکا کر لینے سے شہد (یا کوئی کنیز) اپنے اوپر حرام کر لی تھی جس کا
ذکر قرآن پارہ ۲۸ سورہ تحریم میں ہے۔ بی بیوں کا یہ ایکا کر لینا بھی نازِ زوجیت، افتادِ
نسوانیت اور فطرتِ بشریت سے تھا۔

ان تمام واقعات میں ازواج ہی سے غلطیاں ہوئی تھیں حضرات ذواتِ اربعہ سے
نہیں اس لئے سورہ احزاب کی مذکورہ آیات جن میں ازواج کی دُنیا طلبی کا۔ ان کی تخییر کا
ذکر صاف موجود ہے ازواج اور صرف ازواج ہی کے لئے اُتری ہیں۔ جس طرح حق تعالیٰ
نے خود حضورؐ کی تربیت تنعّم دنیا سے بچنے کے لئے اس طرح فرمائی تھی کہ فرمایا " لا تمدّنّ
عینیک الخ" یعنی آپ ان کُفّار کی ظاہری خوش عیشی دیکھ کر جیسے اب تک اُدھر آنکھ
نہیں اُٹھائی ہے ویسے ہی آیندہ بھی کبھی خوشحالی کی طرف للچائی نظروں سے نہ دیکھئے گا ٹھیک
اُسی طرح ازواجِ نبی کی اخلاقی تربیت بھی حق تعالیٰ نے خود فرمائی چونکہ ازواجِ مطہرات
حضورؐ کی کُفو و ہمسر۔ آپ کی زوجہ اور جوڑا آپ کی ناموس اور عزت۔ آپ کی جانِ پاک ہی
کی دوسری قوالب اور سب کی سب صدیقات اور کامل ترین ولیات تھیں اس لئے ان کو
اور صرف انھیں کو تنبیہ کی ضرورت تھی۔ انھیں کو آسودگی و تنعّم اور آلودگیٔ دُنیا کی گندگی
سے بچانے کی حاجت تھی۔ یہ خود حضورؐ کے خاص گھروں کا معاملہ تھا گھرانہ کا نہیں اس لئے ضرورت
تھی کہ ازواج اور صرف ازواج کو گزشتہ غلطی پر توچشم نمائی کی جائے۔ آئندہ کے لئے
دوٹوک اور صاف پروگرام زندگی کا بتادیا جائے تاکہ وہ آئندہ ایسی گندگیوں سے
بچ سکیں اور ان کو ان کا مرتبۂ خاص بھی بھنوادیا جائے اور پھر وہ حکمت بھی بتادی جائے
جس کی وجہ سے صرف اُنھیں کے لئے یہ سب اہتمام کیا جا رہا ہے تاکہ عمل آسان ہو جائے

اس لئے پہلے تو حق تعالیٰ نے حضورؐ سے قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ کے لفظ سے فرمایا کہ :۔

"اے نبیؐ! آپ اپنی بی بیوں سے جن سے یہ دُنیا طلبی ظاہر ہوئی ہے یہ کہہ دیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اُس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دے دوں اور تم کو خوبی سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اُس کے رسول کو اور عالمِ آخرت کو۔ تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے۔"

اس کے بعد اب براہ راست خود ازواجِ نبیؐ سے "يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ" کہہ کر خطاب فرمایا ہے :۔

"اے نبیؐ کی بیبیو! جو کوئی تم میں کُھلی ہوئی بیہودگی کرے گی اس کو دوہری سزا دی جائے گی اور یہ بات اللہ کو آسان ہے اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو اس کا ثواب دوہرا دیں گے۔ اور ہم نے اس کے لئے ایک عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبیؐ کی بیبیو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔"

دونوں بات کا خلاصہ یہ ہے :کہ اے نبی کی بیبیو! کیا تم نبی کے گھروں میں رہ کر خوش عیشی اور دُنیا طلبی کرنا چاہتی ہو؟ تم نے اتنا نہ سوچا کہ نبیؐ کے گھروں میں اگر خوش عیشی ہوگی تو دُنیا والے اس کو حضورؐ کی ذاتِ پاک کی طرف منسوب کرنے لگیں گے اور دینِ حق کے موجودہ اور آئندہ دُشمن اس کا مطلب یہ نکالنے لگیں گے کہ نعوذ باللہ حضور نے دعویٰ نبوت صرف دُنیوی خوشحالی کے لئے کیا تھا ان کے گھروں میں تو اموال دُنیا کی فراوانی ہے پس اے ازواجِ نبی تمہاری خواہش بجائے خود معقول اور بجا سہی لیکن وہ نبی کی بدنامی کا سبب بنے گی اس لئے نبی کے ساتھ رہنا

منظور ہو تو یہ تنگی بھی قبول کرو اور اگر تمھیں خدا و رسول اور آخرت کی راحت منظور نہیں بلکہ تم دُنیا کی راحت چاہتی ہو تو طلاق اور مہر وغیرہ لے کر نبیؐ سے الگ ہو جاؤ۔

حضورؐ نے تخییر کا یہ حکم ازواج کو سُنایا تو وہ فراقِ نبوی کی سزا سن کر تڑپ گئیں اور بزبانِ حال کہنے لگیں کہ ؎

از فراقِ تلخ می گوئی سخن
ہرچہ خواہی کُن ولیکن ایں مکن

اس کے بعد حق تعالیٰ نے اُن کو اُن کے مرتبۂ عظمیٰ سے آگاہ کیا کہ تم دوسری عورتوں (حتیٰ کہ حضورؐ کی صاحبزادیوں) کی طرح نہیں ہو۔ بلکہ تمھارا درجہ اُن سب سے بالاتر ہے ایک تو اس وجہ سے کہ تم رسول کی ذات پاک کی کفو و ہمسر اور اُن سے شدتِ اتصال کی بنا پر جانِ رسول کی دوسری قالب اور رسول کا گویا مُثنیٰ کہی جاسکتی ہو نیز اس وجہ سے کہ نیکی کرنے پر تمھارا انعام اور غلطی کرنے پر تمھاری سزا دونوں سارے جہان سے ممتاز ہے یعنی دوہری ہے۔[۱]

جس طرح دوسروں کو بلکہ صحابہؓ تک کو مال جمع کرنا (بشرطیکہ اس کا فرض و نفل صدقہ ادا کیا جائے اور اس کی محبت احکامِ دین کی تعمیل میں حائل نہ ہو) جائز و مباح ہے[۲] مگر رسولؐ

---

[۱] اسلام میں تین قسم کے لوگ اور ہیں جن کو دوہرا ثواب ملنے کا وعدہ ہے (۱) اہل کتاب جو حضورؐ کا دین بھی قبول کریں (۲) وہ مرد جو کنیز کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے (۳) وہ غلام جو آقا کی اطاعت کے ساتھ طاعتِ حق میں بھی چُست ہو۔ مگر اُن تینوں سے بھی ازواج کا معاملہ دو باتوں میں ممتاز ہے ایک یہ کہ اُن تینوں کو دوہرا ثواب اس لئے ہے کہ ان کو دو دو کام کرنے پڑتے ہیں ازواج کو صرف ایک ہی کام پہ دوہرا ثواب ہے دوسرے یہ کہ غلطی پر عذاب و سزا کسی کے لئے دوگنی نہیں ہے صرف ازواج کے لئے ہے ۱۲

[۲] چنانچہ بعض صحابہ مثلِ سیدنا عثمان۔ عبدالرحمن بن عوف نہایت مالدار تھے سیدنا علی بھی آخر میں اتنے دولتمند تھے کہ چار سو یا چار ہزار درہم زکات میں ادا کرتے تھے ۱۲

کے لئے ان شرائط کے بعد بھی ممنوع ہے اُسی طرح تم ازواجِ رسولؐ کو بھی خوش عیشی ممنوع ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تم نبیؐ کے گھروں میں رہتی ہو اس لئے اللہ تعالیٰ کو تمھاری تطہیر کا دوسری خواتین کے مقابلہ میں زیادہ اہتمام ہے۔ زینتِ حیات۔ مذاق نبوی سے اختلاف۔ آزردگیٔ نبی کی کَنیدگیوں سے آئندہ بچنے کے لئے تم کو سات دفعات پر مشتمل ایک پروگرام یہ بتایا جاتا ہے کہ ان پر کاربند ہو تو اے بیتِ نبیؐ کی رہنے والیو تم کو تطہیر ملے گی۔ (۱) دوسرے سے بولنے میں نسوانیت کی نرمی نہ آنے دو۔ (۲) ہمیشہ عفّت و دیگر اخلاق حسنہ سے بھری باتیں کرو۔ (۳) گھروں کے اندر رہو بے پردگی یا بلا وجہ کہیں آنے جانے سے بچو۔ (۴) نماز نفل و فرض کی برابر پابندی رکھو۔ (۵) اگر مال ہو تو زکات دیا کرو (۶) زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ و رسول کے حکم پر خوش دلی سے عمل کرو۔ (۷) تم "اپنے گھروں میں" جو قرآن اور حدیث کے چرچے سُنتی ہو اسے برابر یاد رکھو اور اس پر کاربند رہو۔

یہ ہے آیت تطہیر کا سیاق و سباق۔ اس میں حق تعالیٰ نے پہلے تو امہات المومنین کو ازواجِ رسول۔ نساء النبی کے لفظوں سے خطاب فرما کر ڈانٹا ہے اور سزا سُنائی ہے پھر دلجوئی اور دلشوئی کے انداز میں ان کو اہل بیتِ رسول کے لفظ سے خطاب کیا لطف یہ کہ اسی آیت میں بیت کی تشریح اور مراد بھی بیوتکن کہہ کر فرما دی کہ وہ گھر تم ازواجِ رسول ہی کے ہیں اگرچہ ان کو بیوت النبی بھی کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات خوب واضح ہو جانا چاہئے کہ اس آیت کے نزول سے سات سال قبل ہی سیدہ فاطمہ رضؓ زہرا کا نکاح سیدنا علی رضؓ سے ہو چکا تھا اور وہ سیدنا علی رضؓ کے گھر جا کر اہلبیتِ علی بن چکی تھیں نزولِ آیت کے وقت وہ بیتِ نبی میں تھیں ہی نہیں پس یہ آیت صرف سیدات عائشہ۔ حفصہ۔ میمونہ۔ ام سلمہ۔ زینب بنت حجش۔ سودہ۔ ام حبیبہ۔ صفیہ۔ جویریہ اور ماریہ و ریحانہ رضی اللہ عنہن کی شان میں اُتری ہے۔ یہی سب ان آیات

کی مشارٌ الیہ ہیں انھیں سے نازِ زوجیت میں بلا قصد ایذا، دو تین امور ایسے سرزد ہو گئے تھے جن سے حضورؐ کو رنج و اذیت پہنچی انھیں سے حضورؐ نے ایک ماہ تک ترکِ مکالمت[۱] فرمائی تھی۔ پس یہی مستحق بھی تھیں کہ ان کو اہلبیت نبی کے زرّیں لقب سے تسلّی دی جائے اور انھیں کو زندگی کا دستور العمل بتایا جائے کہ اس کے مطابق عمل کرو گی تو عزّتِ تطہیر تم کو ملے گی۔

پس خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آیت میں جس مقامِ تطہیر کا ذکر ہے وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جو کسی کو بلا کسی سبب کے محض حضورؐ کی دُعا سے مل سکتی۔ بعض وہ روایات جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ذواتِ اربع کے لئے مقامِ تطہیر کی دُعا کی محققین علما کے نزدیک اُن کا صدق مشتبہ ہے[۲]۔ اُن روایات کے غلط ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ قرآن میں ہے کہ حق تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پہلے چند احکام دے کر آزمائش کی (وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ) جب وہ اُن کی تعمیل میں پورے اُترے تب اللہ تعالیٰ نے انکو امامتِ عالم کا منصب عطا فرمایا (اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا) اس پر حضرت خلیل اللہ نے بھی چاہا تھا کہ محض خدا سے دُعا کر کے (بلا عمل کئے ہوئے) اپنی ذُرّیت و اہلبیت کو امامت کا منصب دلا دیں تو دُعا کی وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ تو حق تعالیٰ نے جواب میں صاف فرما دیا لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ میرا عہدِ امامت قانون کے خلاف کرنے والوں کو نہیں ملے گا یعنی قانون پر چلنے سے اور چلنے کے بعد ہی ملے گا۔ اس دُعا اور اس کے جواب سُننے کے بعد مشکل ہی سے کسی کی سمجھ میں آئے گا کہ حضورؐ نے اعزازِ تطہیر اپنی ذُرّیت کو بغیر تعمیل قانون کے محض دُعا سے مل جانے

---

[۱] ایک بار سیدہ فاطمہؓ نے فراغت ملنے کی نیت سے بہ اشارہ سیدنا علیؓ حضورؐ سے کنیز و خادمہ مانگی آپ کو چونکہ آرام طلبی کی زندگی پسند نہ تھی اس لئے آپ نے اپنے جگر گوشہ کی درخواست منظور نہیں فرمائی مگر اُن سے ترکِ مکالمہ بھی نہیں فرمایا یعنی حضورؐ کو ان کی خواہشِ فراغت اتنی ناگوار نہیں گزری جتنی ازواج کی۔

[۲] دیکھئے رسالہ تنقیدِ حدیثِ کساء از مولانا حبیب احمد کیرانوی۔

کی دُعا بھی کی ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے قبول بھی کر لیا ہوگا! یہ تو ہے آیتِ تطہیر کی صحیح حیثیت لیکن ابنِ سودا کی اُڑائی ہوئی آندھیوں سے کچھ آنکھیں ایسی اندھی ہو چکی ہیں کہ ان کو نہ یہ اسبابِ نزول نظر آتے ہیں نہ یہ قرائن سوجھ پڑتے ہیں بلکہ وہ آیات کا مصداق مفہوم حضرات ذواتِ اربع ہی کو بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہی ذواتِ اربعہ اہلبیتِ علی بھی ہیں اور یہی حضرات اہلبیتِ نبی بھی۔ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آخر پھر ازواجِ رسولؐ کس کی اہلبیت بنیں؟ جو اہلسنت حضراتِ ازواجِ رسولؐ کو اہلبیتِ نبی میں شامل نہیں سمجھتے اور ظاہر ہے کہ یہ کسی دوسرے کی اہلبیت کہی نہیں جا سکتیں تو کیا اس میں ازواجِ رسولؐ کی حق تلفی نہیں ہے؟ ان وجوہ سے اس پر سیر حاصل بحث کی ضرورت پڑی ہے اب ذیل میں ہم قرآن۔ حدیث اور لغت کے استعمالات پیش کرتے ہیں:۔

(الف) قرآن میں اہل اور آل

۱۔ "فرشتوں نے (حضرت ابراہیم کی زوجۂ اُولیٰ سیدہ سارہؓ کے تعجب پر) کہا"ارے! کیا تم اللہ تعالیٰ کے معاملۂ قدرت میں تعجب کرتی ہو؟ اے اہلبیت (رسول کے گھر میں رہنے والو) تم پر تو برابر ہی اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص اور عام برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر کام میں قابلِ تعریف اور بزرگی والا ہے" (ہود۔۷۳) تشریح تعجب صرف سیدہ سارہ کو ہوا تھا کہ کیا میں بڑھیا ہو کر اب بچہ جنوں گی؟ جواب میں تخاطب بھی صرف اُنھیں سے ہے تعجبین واحد مونث کا صیغہ اس کا قوی ثبوت ہے اس کے بعد کُم (صیغہ جمع مذکر حاضر) اور اہلبیت دونوں لفظوں سے بھی مراد سیدہ سارہ اور صرف سیدہ سارہ ہیں۔ ہماری زبان میں بھی "گھر کے لوگ" بول کر صرف بی بی کو مُراد لیتے ہیں۔ اگر بالفرض کُم کو سیدنا ابراہیم کے لئے بھی مانا جائے تب بھی سیدہ سارہ تغلیباً اُس میں داخل رہیں گی۔

پس یہاں اہلبیت زوجہ کے لئے ہے۔

۲۔ (الف) "وہ قصہ بھی عجیب ہے جب موسیٰؑ نے اپنی اہل (اہلیہ) سے کہا تم یہاں ٹھہری رہو مجھے کچھ دور پر ایک آگ سی نظر آرہی ہے" (طٰہٰ۔۱۰)

(ب) "زلیخا نے عزیز کو دیکھ کر کہا اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے تمہارے اہل (اہلیہ) کے ساتھ بُرا ارادہ کیا ہے" (یوسف۔)

تشریح۔ دونوں مثالوں میں اہل سے مراد زوجہ ہیں اور الف میں امکثوا جمع مذکر حاضر کا صیغہ بھی صرف زوجہ کے لئے ہے۔

۳۔ (الف) حضرت موسیٰؑ کی بہن نے (فرعون و آسیہ سے) کہا کیا میں آپ کو ایسے اہلبیت (گھر والوں) کا پتا بتا دوں جو اُس بچّہ کی کفالت کر سکیں اور اس بچّہ (یا فرعون) کے خیر خواہ بھی ہوں؟" (قصص)

(ب) حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے کہا تم اپنے اہل (ماں باپ بھائی) کو میرے پاس (یہاں مصر میں) لے آؤ (یوسف)

تشریح۔ ان مثالوں میں اہل اور اہلبیت سے مراد ماں باپ بھائی ہیں۔

۴۔ "اے نوح! سنو یہ لڑکا (کنعان) تمہارے اہل میں سے ہے ہی نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں" (ہود)

تشریح۔ یہاں اہل سے مراد نسل و فرزند و متعلقین اور گھرانہ والے ہیں۔

۵۔ (حضرت موسیٰؑ نے) دُعا کی .... اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دیجئے" (طٰہٰ)

تشریح۔ یہاں اہل سے مراد گھرانہ اور بھائی ہے۔

۶۔ "ہم نے (نوح سے) کہا کہ اس (کشتی) میں ہر جانور کا جوڑا اور اپنے اہل (ہم مذہب

مسلمان اور متعلقین) کو سوار کر لو" (ہود)

تشریح۔ اس جگہ اہل سے بیوی بیٹوں کے ساتھ جملہ اُمتِ اجابت یعنی کل مسلمان مُراد ہیں۔ کافر بی بی اور کافر بیٹا اس میں سوار نہیں تھے۔

۷۔ "(اے فرشتو) تم فرعون (کو اور اُس) کے آل (ہمنیاؤں) کو سخت ترین سزا میں داخل کرو" (مومن) اس جگہ آل بھی ہم مذہب کے معنوں میں آیا ہے۔ آل کا لفظ دراصل اہل ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

خلاصۂ بحث:۔ قرآن میں اہل کا لفظ حسب ذیل پانچ معانی میں آیا ہے:۔
بیوی (مثال ۱ و ۲) والدین۔ بھائی بہن۔ بھاوج۔ بہنوئی یعنی گھرانہ (مثال ۳) فرزند و ذریت (مثال ۴) بھائی (مثال ۵) ہم مذہب۔ اُمتِ اجابت (مثال ۶ و ۷)
اگرچہ اہل کا لفظ ان پانچوں ہی معانی میں قرآن میں آیا ہے مگر اہلبیت کا لفظ صرف بیوی اور ماں کے معنوں کے لئے آیا ہے۔

(ب) قرآن میں لفظ "بیت"

۱۔ "نوحؑ نے (دعا میں) کہا اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور ایسے تمام لوگوں کو جو میرے بیت (مذہب و مسجد) میں ایمان لا کر داخل ہو جائیں اور تمام ہی مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخش دیجئے۔" (نوحؑ)

تشریح۔ یہاں بیت سے مراد مفسرین نے مذہب و شریعت۔ مسجد۔ دین کر لیا ہے۔

۲۔ "(اے مسلمانو) تم نبی کے بیوت میں (اُن حجروں میں جہاں نبی شب باش ہوتے ہیں) بس اُسی وقت جایا کرو جب تمھیں اجازت ملے" (احزاب) تشریح آگے آتی ہے۔

۳۔ "(اے ازواجِ رسولؐ!) تم سب اللہ کی اُن آیات کو اور اُن اقوالِ حکمت کو یاد

رکھا کرد جو تم ازواج کے بیوت (شب باشی کے حجروں) میں تلاوت کی جاتی ہیں" (احزاب)

تشریح ۔ مثال ۲ میں بیوت النبی کہہ کر جو حجرات مراد لئے گئے ہیں وہی حجرات بیوتکن فرما کر بھی مراد لئے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقلاً بھی اور نقلاً بھی بیوتِ نبی اور بیوتِ ازواج ایک ہی ہیں۔ اس کے بعد جب مضاف الیہ حذف کر کے بیت پر آل (عہد یا عوض کا) لگا کر اہل البیت اُسی سورہ میں فرمایا جس میں بیوت النبی اور بیوتکن کے الفاظ ہیں تو اس بیت کے اہل ازواجِ رسولؐ کے سوا دوسرا کون ہو سکتا ہے؟ مگر عقل کی کمی اور انصاف کے خون کا کمال دیکھنا ہو تو اُن علماء اہلسنت کے اقوال اور تلاشِ روایات کی مساعی ملاحظہ ہوں جو اہلبیت سے مراد اس آیت میں بھی سیدہ فاطمہؓ اور اولادِ فاطمہؓ کو لیتے ہیں فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ! گویا سیدہ فاطمہ ہی اہلبیتِ علی بھی تھیں اور وہی اہلبیتِ نبی بھی تھیں۔ رہ گئیں ازواجِ رسول! تو وہ ان کے نزدیک نہ اہلبیتِ نبی ہیں اور نہ کسی دوسرے کی اہلبیت!! ازواجِ رسول کی اتنی صریح حق تلفی کا جواب نہ معلوم ان لوگوں نے کیا سوچ رکھا ہے؟

خلاصۂ بحث : قرآن میں بیت کا لفظ یا تو مسجد ۔ دین و مذہب کے معنوں میں آیا ہے یا شب باشی کے حجروں کے معنوں میں۔

(ج) حدیث میں لفظ اہل کا استعمال

(۱) (عن عائشۃ) "خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِی" (ترمذی باب ازواج النبیؐ) تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنی اہل (بی بی) کے لئے اچھا ہو اور میں اپنی اہل کے ساتھ تم سب سے زیادہ اچھا ہوں"۔

تشریح : اس میں اہل سے مراد بی بی ہے اور لطف یہ کہ یہ حدیث امام ترمذی ہی نے

باب ازواج النبی میں درج کی ہے حالانکہ انھوں نے باب ازواج النبی الگ قائم کیا ہے اور باب اہلبیت النبی الگ۔

(۲) عن ابی حبّۃ البدری) "کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَومَ حُنَیْنٍ لَایَنظُرُ فِی نَاحِیَۃٍ اِلَّا رَأیٰ اباسفیان بن الحارث یقاتل فقال ان اباسفیان خَیْرُ اَھلی اَوْ مِن خَیْرِ اَھْلِی (جمع الفوائد عن الطبرانی) جنگ حنین میں حضورؐ جس جانب بھی نظر اُٹھاتے تھے اُدھر ابوسفیان ہاشمی کُفّار سے جنگ کرتے نظر آتے تھے تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا واقعی میرے بہترین اہل (یا میرے بہترین اہل میں سے) ابوسفیان ہیں"
تشریح: اس میں اہل کا لفظ گھرانے والے رشتہ دار کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ابوسفیان ہاشمی حضورؐ کے چچیرے بھائی تھے ان کو حضورؐ نے اپنا خیر اہل فرمایا۔

(۳) (عن عبد الرافع بن ابی رافعؓ) انّ اُمّ ھانی بنت ابی طالب.... شفاعتی تنالُ حاءَ وحکم (جمع عن الطبرانی) اُمّ ہانی بنت ابی طالب سے حضرت عمرؓ نے کہا عمل کرو عمل۔ حضرت محمدؐ قیامت میں تمھارے کچھ بھی کام نہ آئیں گے انھوں نے حضورؐ سے کہا تو آپ نے (صحابہ میں آکر) فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ میری شفاعت میرے اہلبیت (گھرانہ والوں) تک نہیں پہنچے گی۔ میری شفاعت تو قبائل حاء وحکم تک (کے گنہگار مسلمانوں) کو پہنچے گی" تشریح: (۱) اس میں حضورؐ نے ام ہانی کو اپنا اہلبیت فرمایا۔
(۲) حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ عمل کرو ویسا ہی تھا جیسا خود حضورؐ نے اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہؓ کو ایک بار فرمایا تھا کہ عمل کرو عمل۔ قیامت میں تم کو بنتِ محمد ہونا کام نہ دے گا۔ دونوں حضرات کا منشا یہ تھا کہ محض نسب پر اعتماد کرنے سے بچیں۔ پس بظاہر حضرت عمرؓ کے قول پر نکیر نہ چاہیے تھی مگر بات یہ ہے کہ یہاں حضورؐ نے یہ چاہا ہے کہ نسب کے متعلق ایک ضروری نکتہ اور واضح فرمادیں وہ یہ کہ شفاعت اور نسب، ایمان اور عمل صالح کے ساتھ قیامت میں نافع ہوں گے اور

سیدہ فاطمہ رضؓ کو عمل کی ترغیب دینا بابِ تربیت اور شفقت سے تھا۔ دیکھئے قرآن میں ایک جگہ تو ہے لَا اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یعنی قیامت میں نسب نفع نہ دے گا اور فرمایا لَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ یعنی نہ دوستی کام دے گی اور نہ سفارش مگر دوسری جگہ یہ بھی فرمادیا کہ شفاعت بالاذن ہوگی اور متقی اَخِلّاء احباب میں دوستی بھی کام دے گی۔

(۴) (عن دُرَّۃَ بنتِ ابی لَھَب) اَنْتِ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکِ (اعن ابی عمر) قَدِمَتْ دُرَّۃُ بنتُ ابی لَھَب مُھَاجِرَۃً فَقَالَ لھا نِسْوَۃٌ ..... مَالِیْ اُوذٰی فِیْ اَھْلِیْ فَوَاللہِ اِنَّ شفاعتِی لَتَنَالُ حَیّ حا وحکم وصدا وسھلب یوم القیامۃ (جمع الفوائد عن احمد والطبرانی) سیدہ دُرَّہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں (اور ابن عمر فرماتے ہیں کہ) دُرّہ بنت ابی لہب ہجرت کرکے مدینہ آئیں تو بنو زُریق کی عورتوں نے کہا کہ تم اُسی ابولہب کی بیٹی تو ہو جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ پھر تمہاری یہ ہجرت تمہارے کس کام کی؟ تو انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں آکر شکایت کی تو آپ نے ان کو تسلی دے کر فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پھر لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی اس کے بعد منبر پر بیٹھ کر فرمایا لوگو یہ کیا بات ہے کہ مجھے میرے گھرانہ والوں کے بارہ میں ایذا دی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم! قیامت کے دن میری شفاعت تو قبائل حا وحکم وصدا وسہلب تک کے لوگوں کو پہنچے گی۔ **تشریح:** اس میں حضورؐ نے اپنی دوسری چچیری بہن دُرّہ بنت ابی لہب کو صراحۃً اہلبیت فرمایا ان کو بھی "منی ومنک" فرمایا جو سیدنا حسینؓ کے لئے فرمایا۔

(۵) "(عن عائشۃؓ) اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اُھْدِیَ لہٗ قلادۃ ..... فی رقبۃِ اُمَامَۃَ بِنْتِ ابی العاص (جمع الفوائد عن احمد وکبیر الطبرانی۔ والموصلی) حضورؐ کے پاس پوت کا ایک ہار جس میں سونے کے منکے بھی پڑے تھے کہیں سے ہدیہ میں آیا تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں یہ ہار اپنے گھر والوں میں سے اُسے پہناؤں گا جو مجھے سب سے زیادہ محبوب

ہے یہ سُن کر آپ کی ازواج اس کے لئے اُٹھنے اور بڑھنے لگیں آپ اُسے ہاتھ میں لئے آگے بڑھے اور اُمامہ بنت ابوالعاص (حضورؐ کی نواسی) کے گلے میں ڈال دیا۔" **تشریح**: اس میں حضورؐ نے اپنی نواسی اُمامہ (زینب بنت الرسول کی صاحبزادی) کو صراحۃً اپنا اہلبیت بلکہ اَحبّ اہلبیت فرمایا اور اس روایت کو تین محدثوں نے روایت کیا ہے۔

(۶) (عن عمرؓو بن عوف) سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ (جامع صغیر) حضورؐ نے فرمایا سلمان فارسی تو ہمارے گھرانہ کے ایک فرد ہیں۔" **تشریح**: غزوۂ خندق میں مہاجرین نے اپنے حصّہ کی خندق کھودنے میں سلمانؓ کو اپنے ساتھ لینا چاہا اور انصارؓ نے اپنی جماعت میں لینا چاہا تو حضورؐ نے ان کو اپنے گھر کا ایک فرد بتا کر اپنے حصّہ کی خندق کھودنے میں اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس میں حضورؐ نے حضرت سلمانؓ کو صراحتاً اپنا اہلبیت فرمایا۔

(۷) (عن واثلۃؓ بن الاسقع) سَئَلْتُ عن علی بن ابی طالب فی منزلہ .... قَالَ اَنْتَ مِنْ اَهْلِی۔ قَالَ وَاثِلَۃُ: اِنَّھَا مِنْ اَرْجٰی مَا اَرْتَجِی (ابن کثیر ۳/۴۸۳ ابن جریر ۲۲/۵) حضرت واثلہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کو ڈھونڈھتا ان کے گھر پہنچا تو سیدہ فاطمہؓ نے کہا کہ وہ تو حضورؐ کو بلانے گئے ہیں کہ اتنے میں حضرت علیؓ آہی گئے اور حضورؐ بھی تشریف لا کر اندر گئے۔ میں بھی اندر چلا گیا۔ حضورؐ ایک چادر پر بیٹھ گئے سیدہ فاطمہؓ کو اپنے داہنے حضرت علیؓ کو بائیں اور حسنینؓ کو اپنے سامنے بٹھایا پھر ان سب کو اپنے کپڑوں سے ڈھانک لیا اور فرمایا کہ اے گھرانہ والو۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے اور تم کو خوب پاک کر دے۔ اے اللہ یہ بھی میرے گھرانہ والے ہیں۔ اے اللہ میرے گھرانہ والے زیادہ مستحق ہیں۔ تو میں (واثلہ) نے کوٹھری کے ایک گوشہ سے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا میں بھی آپ کے گھرانہ والوں میں داخل ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم بھی میرے گھرانہ والوں میں داخل ہو۔ حضورؐ کا یہ فرمانا میرے لئے بہترین سہارا

ہے"۔ **تشریح:** اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اور حضرت واثلہؓ کو صراحتہً اپنا اہلبیت فرمایا۔

(۸) (عن زینب بنت ابی سلمہ (ترجمہ) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں (امّ سلمہؓ) کے یہاں تھے کہ حضرات حسنینؓ و فاطمہؓ آگئے تو آپ نے حسنؓ کو ایک پہلو میں اور حسینؓ کو دوسرے پہلو میں اور فاطمہؓ کو اپنی گود میں لیا پھر فرمایا اللہ کی رحمت اور برکت ہو تم پر اے اہلبیت ۔ بے شک خدا مستحق حمد اور بزرگی والا ہے اُس وقت میں اور امّ سلمہ دونوں الگ بیٹھی تھیں تو امّ سلمہ رونے لگیں حضورؐ نے انھیں دیکھا تو پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ان سب کو تو خاص معاملہ سے نوازا اور مجھے اور میری بیٹی کو چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا تم بھی اور تمھاری بیٹی زینب بھی میرے گھر والوں میں سے ہو" (جمع الفوائد عن الکبیر) **تشریح:** اگرچہ ۷ و ۸ کی روایات کا مضمون کچھ جی کو نہیں لگتا تاہم جس طرح روایت ۷ میں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت واثلہ کو بھی حضورؐ نے اہلبیت فرمایا تھا اسی طرح ۸ میں حضرات فاطمہ و حسنینؓ کے ساتھ حضورؐ نے زینب بنت ابی سلمہ (اپنی ربیبہ) کو بھی اہلبیت فرمایا۔ (۹) ما شبع آل محمد میں آل بمعنی بیوی ہے۔

خلاصۂ بحث: (۱) احادیث میں اہلبیت کا لفظ حسب ذیل معنوں میں استعمال ہوا ہے:۔

بیوی[۱] (نمبر ا و ۸) چچیرے بھائی بہن[۲] (۲ و ۳ و ۴) نواسی نواسے[۳] (۵ و ۶ و ۸) بیٹی داماد[۴] (۶) ہم مذہب[۵] اُمّتی (۶ و ۷) ربیبہ[۶] (۸)

(۲) یہ دعویٰ کرنا تو مشکل ہے کہ "ہم نے تمام دفاتر حدیث کھنگال ڈالے ہیں اور اب ان بارہ تیرہ حضرات کے علاوہ اور کسی کو حضورؐ نے اہلبیت کا لفظ صراحتہً نہیں فرمایا ہے" بس ممکن ہے کہ ان کے علاوہ بھی کسی کو حضورؐ نے اہلبیت کے لقب سے صراحتہً یاد فرمایا ہو۔

جن کو صراحۃً اہلبیت کہا ہے وہ حضرات یہ ہیں:-

حضورؐ کی ایک زوجہ سیدہ ہندہ رضؓ ام سلمہ - سیدنا ابو سفیان بن الحارث الہاشمی - سیدہ
ام ہانی - سیدہ درّہ رضؓ - سیدنا علی رضؓ - سیدہ فاطمہ رضؓ - سیدہ زینب رضؓ ربیبہ رسول اللہ - سیدنا
حسن - سیدنا حسین - سیدہ امامہ بنت ابوالعاص - سیدنا سلمان رضؓ فارسی - سیدنا واثلہ رضؓ -
عبداللہ بن عباس ان کے علاوہ سیدنا زید بن حارثہ کو تو حضورؐ نے متبنٰی فرمایا تھا اور زید بن محمد کہے جاتے تھے -
اسامہ کو حضورؐ نے احب اہل فرمایا (مشکوٰۃ ص ۵۷۲) مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضؓ بن مسعود
کو لوگ حضورؐ کے اہلبیت میں سے سمجھتے تھے ص ۵۷۴)

(۳) حضورؐ کی ازواج، آپ کی اہلبیت ہیں اس کا ثبوت قرآن سے بھی ہے اور حدیث
سے بھی ہے لیکن بیٹی - داماد - نواسے - چچیرے بھائی بہن کا اہلبیت ہونا صرف حدیث سے
ثابت ہے یعنی ازواج کے اہلبیتِ رسولؐ کا دینی اور شرعی اور ایمانی ثبوت دوہرے درجہ کا ہے
اور ذواتِ اربع کا ایک درجہ کا -

فصل دوم

لغت کے استعمالات

چونکہ لفظ اہلبیت دو کلمات سے مرکب ہے اہل اور بیت اس لئے ہم ذیل میں ان
دونوں کلمات کے متعلق بعض اہل لغت کے ارشادات نقل کرتے ہیں - تطویل کے خوف سے
ہم عربی عبارات میں سے صرف ضروری حصہ اور ترجمہ بھی کا لکھتے ہیں:-

(الف) لغت میں اہل اور آل:

(۱) "اَھْلُ الرَّجُلِ عَشِیْرَتُہٗ وذوو قرباہ ج اَھْلُوْنَ وَاَھَالُ واَھَالٌ

لہ آیت وانذر عشیرتک الاقربین کی تفسیر میں روح المعانی میں ہے کہ "مرد (بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

داھلات ....اَھْلُ الْاَمْرِ وُلَاتُہٗ - وَلِلْبَیْتِ سُکَّانُہٗ وَلِلْمَذْھَبِ مَنْ یَدِیْنُ بِہٖ وَلِلرَّجُلِ زَوْجَتُہٗ وَلِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَزْوَاجُہٗ وَبَنَاتُہٗ وَصِھْرُہٗ عَلِیٌّ اَوْنِسَاءُہٗ وَالرِّجَالُ الَّذِیْنَ ھُمْ آلُہٗ وَاَھْلُ نَبِیٍّ اُمَّتُہٗ ...... - (پھر، سطر بعد) ..... وَآلُ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اَوْلِیَاءُہٗ - وَاَصْلُہٗ اَھْلٌ" انتھی [قاموس باب اللام فصل الہمزہ] ترجمہ: آدمی کے اہل اس کے خاندان والے اور اس کے رشتہ دار ہیں اس کی جمع اہلون - اَہَالٌ - اِہَالٌ - اہلات آتی ہے - اہل الامر معنی کسی کام کے منتظم لوگ - اہل البیت معنی گھر میں رہنے والے - اہل المذہب معنی اُس مذہب پر چلنے والے اہل الرجل واہلۃ الرجل معنی آدمی کی بیوی - اہل النبی معنی حضورؐ کی تمام بیویاں - تمام بیٹیاں اور آپ کے داماد علی" یا آپ کی تمام عورتیں اور تمام مرد جو آپ کے آل (پیرو) ہیں - ہر نبی کے اہل ان کی اُمت ہوتی ہے - آلُ اللہ و آلُ رسولہ معنی اللہ اور رسول کے اولیا - آل کا لفظ اصل میں اہل تھا" ذرا صاحب قاموس کی یہ زیادتی ملاحظہ ہو کہ جب بناتہٗ لکھ کر حضورؐ کی چاروں بیٹیوں کو اہلبیت رسول تسلیم کر رہے ہیں تو تمام دامادوں کو آپ کا اہلبیت لکھتے مگر صرف ایک داماد (حضرت علیؓ) کا ذکر کرتے ہیں اور اُن سے افضل کو نظر انداز کر جاتے ہیں - شاید کوئی کہے کہ حضرات ابوالعاص و عثمان چونکہ بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب نہیں تھے اس لئے ان کو اہلبیت نہیں مانا - میں کہتا ہوں کہ ہر قوم اور ہر ملک میں داماد کو گھر کا ایک فرد - اہلبیت مانا جاتا ہے نہ کہ نبی آخر الزمان

(بقیہ سابق) کے دس قریبی رشتہ داروں کو عشیرۃ کہتے ہیں" میں کہتا ہوں کہ آل - عشیرۃ - ذوی القربیٰ میں نازک فرق اور عقلی ترتیب ہے آل تو کہتے ہیں بیوی کو - اور عشیرہ کہتے ہیں اُن دس رشتہ داروں کو جن سے اس کا خون ملا رہتا ہے اور وہ ہیں ماں[1] اور اس کے بھائی[2] - بہن[3] (یعنی ماموں خالہ) باپ[4] اور اس کے بھائی[5] بہن[6] (یعنی چچا پھوپھی) خود مرد کے بھائی[7] بہن[8] مرد کے بیٹا[9] بیٹی[10] - ان کے بعد درجہ ہے مرد کے ساس - سسرے - سالے - مرد کے داماد - بہو - نواسی نواسے کا -

صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جنھوں نے سلمانؓ فارسی تک کو اپنا اہلبیت فرمادیا، حضرت عمرؓ نے ام کلثومؓ سے نکاح اسی لئے کیا تھا کہ نبیؐ کے خاندان میں شامل ہو سکیں (ابن کثیر ج ۳ میں ۲۵۶ بحوالہ مسلم)

(۲) "اہلُ الرجلِ من یجمعہ وایاہم نسبٌ او دینٌ او ما یجری مجراہما من صناعۃ و بیتٍ و بلدٍ۔ فاہلُ الرجل: فی الاصل من یجمعہ وایاہم مسکنٌ واحدٌ ثم تجوّز وابہ..... الآخرۃ" [مفردات امام راغب ص ۲۹] ترجمہ: کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس شخص کے ساتھ ایک نسب۔ ایک مذہب! اسی طرح کا کوئی مشترک تعلق مثل ہنر اور پیشہ کے رکھتے ہوں یا جو ایک گھر یا ایک شہر میں شریک ہوں۔ پس اصل میں تو کسی کے اہل وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ ایک مسکن میں شامل ہوں پھر مفہوم میں لوگوں نے کچھ وسعت دی اور کہنے لگے کہ آدمی کے اہل وہ لوگ ہیں جو ایک نسب میں شریک ہوں۔ اب یہ لفظ (اہلبیت) حضورؐ کے خاندان والوں کے لئے عام طور پر مشہور ہے انھیں کو اہلبیت کہا جاتا ہے اس وجہ سے کہ خدائے عزوجل نے فرمایا ہے" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ..... اَھْلَ الْبَیْتِ" اہل الرجل معنی اس کی بیوی۔ اہل اسلام معنے وہ لوگ جو اسلام میں داخل ہیں شریعت محمدیہ نے مسلمان اور کافر کے درمیان اکثر احکام میں نسب کا اعتبار نہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا" (اے نوح! سنو وہ (کنعان) تمھارے گھر والوں میں سے ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ اس کے عمل خراب ہیں" نیز فرمایا" (اے نوح! اس کشتی میں ہر جانور کا ایک ایک جوڑا بھی سوار کرلو اور اپنے اہل کو بھی مگر اسے نہیں جس کے بارہ میں ہمارا حکم ممانعت پہلے ہو چکا ہے....." تشریح: اس کی خط کشیدہ عبارت کو دیکھئے کس طرح وثوق واطمینان سے آیت تطہیر کو ذواتِ اربعہ کے لئے مخصوص بتا رہے ہیں۔ اور ان کے دل میں قرآنی آیت کے سیاق و سباق کا سببِ نزول اور مفہوم کا خطرہ بھی نہیں گزرتا کہ یہ سمجھ سکتے کہ ذواتِ اربعہ کو جو اہلبیت "کہا جاتا" ہے تو آخر کون ہیں وہ کہنے والے؟

اہل حق کا کوئی گروہ ہے یا اہل باطل کا؟ یہ ہے ائمہ لغت کی قرآن سے بیگانگی اور

سبائیہ کے پروپیگنڈے کی شدت!!

(۳) "آل کا لفظ اہل ہی سے بگڑ کر بنا ہے ..... (چند سطور بعد) .... اس کا استعمال ان لوگوں پر ہوتا ہے جو کسی انسان کے ساتھ ذاتی خصوصیت، نزدیکی رشتہ، یا دلی دوستی رکھتے ہوں۔ مطلب یہ کہ دیندار دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پختہ علم اور عمل کے ساتھ مخصوص ہوں ان کو تو آلِ نبی کہا جاتا (اور کہا جا سکتا) ہے دوسرے وہ جو تقلیدی طور پر صرف علم کے ساتھ مخصوص ہوں اُن کو اُمتِ محمدیہ کہتے (اور کہہ سکتے) ہیں آلِ محمد اور آلِ نبی نہیں کہتے۔ پس جو لوگ حضور کی آل ہیں وہ سب تو حضورؐ کی اُمت بھی ہیں لیکن جتنے لوگ حضورؐ کی اُمت ہیں وہ سب حضورؐ کی آل نہیں۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تمام مسلمان آلِ نبی (اور آلِ محمد) ہیں آپ نے فرمایا وہ لوگ کچھ سچ کہتے ہیں اور کچھ جھوٹ۔ لوگوں نے اس کا مطلب پوچھا تو فرمایا کہ "یہ جھوٹ تو یوں ہے کہ اُمتِ محمدیہ سب کی سب آپ کی آل نہیں اور سچ یوں ہے کہ آپ کی اُمت جب آپ کی شریعت کی پابندی کرے گی تب آلِ محمد بنے گی[1]" قرآن میں جو آیا ہے "رجلٌ مومنٌ من آل فرعون" تو اس میں آل سے مراد فرعون کے ساتھ خصوصیت رکھنے والا اور اس کی شریعت پر چلنے والا ہے اُس مسلمان کو صرف نسب اور مسکن (کے اشتراک) کی وجہ سے فرعون والوں میں شمار کیا گیا ہے اور اس لئے کہ فرعون والوں کی شریعت پر بھی تھا اُسے آلِ فرعون نہیں کہا گیا ہے" (مفردات امام راغب ص ۳۰)۔

تشریح: رجل مومن من آل فرعون کی یہ تشریح یہ امام لغت خود کر رہے ہیں کہ فرعون کی شریعت پر چلنے والا یعنی مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ نے لوگوں کے یقین و خیال کی حکایت میں اسے آلِ فرعون فرمایا ہے کہ لوگ اُسے فرعون کا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے حالانکہ وہ موسیٰ کا

---

[1] آل اور اُمت کا یہ فرق جو امام لغت نے یا سیدنا جعفرؓ صادق نے بیان فرمایا ہے یہ دراصل حضورؐ کے اس ارشاد کی شرح ہے کہ فرمایا "آلُ محمدٍ کُلُّ تقیٍ" ہر پارسا مسلمان آلِ محمد ہے۔

ہم مذہب تھا اور اپنے ایمان اور مذہب کو چھپاتا تھا۔

(۴) علّامہ مناوی مصری نے جامع صغیر سیوطی کی مختصر شرح "تیسیر" میں لکھا ہے:-

"آلُ الشخص مایؤل الی ذالك الشخص۔ و آلُ المصطفٰی مَن یؤُلُ الیه بحسب النَّسَب او بحسب النسبة اَمّا الاوّل فهم الّذین حُرِمَتْ علیهم الصّدَقَةُ وهم مومنو بنی هاشم وَالمطّلب۔ اَمّا الثانی فهم العلماء.... (چند سطور کے بعد).... فآل النبی من یؤُل الیه بحسب نسبه علیه الصلوٰة والسلام لحیاته الجسمانیه کاولاده النّسبیة وَمَن یحذ وحَذُو وهم من اقاربه الصوریة او بحسب نسبته لحیاته العقلیة کاولاده الرّوحانیة من العلماء الرّاسخین و الاولیاء الکاملین والحکماء المتالهین المقتبسین من المشکاة النبویة"....الخ (ص۳)

ترجمہ: کسی شخص کے آل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اُس شخص کی طرف نسبت کئے جاتے ہوں آل مصطفٰی وہ لوگ ہیں جو یا تو نسب و خاندان میں حضورؐ کی طرف منسوب کئے جاتے ہوں یا (خاندان کے علاوہ) کوئی دوسرا تعلق رکھتے ہوں۔ پہلی قسم کے لوگ تو وہ ہیں جن پر زکوٰة حرام ہے[1] اور وہ بنو ہاشم و بنو مطلب کے مسلمان افراد ہیں۔ رہے دوسری قسم کے آل تو وہ علما ہیں .... (چند سطروں کے بعد).... پس نبیؐ کے آل یا تو وہ ہیں جو حضورؐ کی طرف آپ کی حیاتِ جسمانی سے تعلّق رکھتے ہوں جیسے آپ کی نسبی اولاد و ذُرّیت اور جوان کے مثل ہوں جیسے آپ کے ظاہری رشتہ دار یا پھر وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف آپ کی حیات عقلی و روحانی سے نسبت رکھتے ہوں جیسے علمار راسخین۔ اولیا ر کاملین۔ خدا پرست فلاسفہ جنھوں نے نبوت کے طاق (حضورؐ کی ذات اقدس کے نور) سے روشنی حاصل کی ہے" انتہٰی

---

[1] یہ ایک مغالطہ ہے جو نیم سبائی اہلسنّت نے تیار کیا ہے۔ تفصیل آگے آئے گی مگر اتنا ابھی سُن لیجئے کہ دُرّہ بنت ابی لہب مسلمانان بنو ہاشم میں یقینًا ہیں مگر ان پر زکوٰة یقینًا حرام نہیں بلکہ جائز ہے۔

تشریح: زرا ان علامہ کا مجرمانہ تغافل ملاحظہ ہو کہ انھوں نے ازواج رسولؐ کو نہ تو پہلی قسم کی اہلبیت بنایا حالانکہ ان میں سے چند (مثل سیدہ خدیجہ۔ سیدہ زینب بنت جحش۔ سیدہ ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان) آپ کی اقارب صوریہ بھی تھیں اور نہ ان کو دوسری قسم میں یاد کیا حالانکہ وہ سب علماء راسخین۔ اولیاء کاملین کی جماعت کی صفِ اول میں بھی ممتاز تھیں رہی ان علامہ کی یہ تشریح کہ جن پر زکوٰۃ حرام ہو تو اس پر سیر حاصل تنقید فصل سوم کی حدیث مسلم عن ابن ارقم کے ذیل میں آرہی ہے۔

(ب) لغت میں لفظ بیت

(۱) ایک مشہور لغت میں ہے: "البیت من الشعرِ[۱] والمدر..... والشرف[۲] والشریف[۳] والتزویج[۴]۔ والقصر[۵]۔ وعیالُ الرجل[۶]۔ والکعبۃ[۷]۔ والقبر[۸] وفرشُ البیتِ[۹] وبیت الشاعر[۱۰] الخ..." (قاموس ج ا باب التاء فصل الباء) ترجمہ: اُون یا اینٹ اور پتھر کا مکان[۱]۔ عزت[۲]۔ معزز آدمی[۳]۔ نکاح[۴]۔ محل[۵]۔ مرد کے عیال[۶] و دست نگر۔ کعبہ[۷]۔ قبر[۸]۔ کوٹھری کا فرش[۹]۔ شاعر کا ایک شعر[۱۰]۔

(۲) قرآن کے ایک لغت میں ہے: "اصلُ البیت مأوی الانسان باللیلِ لِانّہٗ یُقال بات اقام باللیل کما یُقال ظلّ اقام بالنہار الخ ترجمہ: بیت اصل میں کہتے ہیں انسان کی شب باشی کی جگہ کو کیونکہ عربی میں بَاتَ کے معنی ہیں اس نے رات گزاری اور دن میں قیام کرنیکو ظلّ کہتے ہیں۔ کبھی رات کا اعتبار کئے بغیر صرف مسکن کو بھی بیت کہدیتے ہیں اسکی جمع ابیات اور بیوت ہے لیکن عموماً بیوت مسکن کے لئے اور ابیات شعروں کے لئے بولتے ہیں ..... (پھر ۲ سطر بعد) ... اہل البیت کا لفظ آلِ نبی کے لئے عام طور پر مشہور ہے اور حضورؐ نے "سلمان منّا اھل البیت" فرما کر اس طرف تنبیہ کی ہے کہ کسی قوم کے مولیٰ (آزاد شدہ غلام کی نسبت اس قوم کی طرف بھی صحیح ہے چنانچہ فرمایا "مولی القوم منھم وابنُہٗ من انفسھم"

انتہیٰ (مفردات) **تشریح**: (۱) دیکھئے یہ مصنف اہلبیت کے متعارف معنے آلِ نبی کے تو جانتے تھے مگر آیت قرآنی کے استعمال سے کس قدر ناواقف تھے (۲) غلام آزاد کی نسبت قوم کی طرف لکھ کر غالباً یہ مصنف حضرت سلمانؓ کو حضورؐ کا آزاد شدہ غلام کہنا چاہتے ہیں ہمیں اس کا علم نہیں اور ایک ہمیں کیا ہمارے جیسے ہزاروں لاکھوں آدمی تو یہ جانتے ہیں کہ حضورؐ نے جو حضرت سلمانؓ کو یہودی کی غلامی سے نجات دلائی تو وہ لوجہ اللہ دلائی آپ نے جو زرِ مکاتبت اُن کا ادا کیا تو اتنے ہی سے وہ یہودی کی غلامی سے آزاد ہو کر آپ سے آپ حضورؐ کی غلامی میں نہیں آگئے تھے بلکہ وہ تو آزاد ہوئے اُس وقت جب انھوں نے یہودی کے شرائط پورے کر کے اُور بے جا کر اس کے قبضہ میں دیئے اور اُس نے اپنی زبان سے کہا کہ اب جاؤ تم آزاد ہو۔ ان کی آزادی میں حضورؐ کے آزاد کرنے کو مطلق دخل نہ تھا یعنی میرے نزدیک وہ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام نہیں تھے۔

(**تنبیہ**) غلط فہمی نہ ہو۔ میں حضورؐ کی غلامی کو دُنیا کا بلکہ آخرت کا بھی ایک بڑا شرف سمجھتا ہوں میں یہاں اُمت کے ان امام لغت کی تشریح و تاویل اور استدلال پر نقد کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک سلمان کو اہلبیت فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ ایک تو وہ عالم متقن۔ ولی راسخ اور متبع رسولؐ تھے۔ دوسرے وہ ایک رئیس زادے تھے۔ حضورؐ نے ان کی دینی اور دُنیاوی وجاہتوں کی قدردانی فرما کر انھیں اپنے اہلبیت میں شامل فرمایا یہ ایسا ہی ہے جیسا حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمدؐ اور اسامہ کو احب اہل فرمایا تھا۔

خلاصہ بحث: (۱) معلوم ہوا کہ لغت میں بیت دس معنوں کے لئے بولا جاتا ہے اور اہل کے بھی کئی معنے آتے ہیں (۲) اہلبیت کے معنی لغت میں بیوی[1] اک ساتھ کسی مکان میں رہنے والے[2] اور رشتہ دار[3]۔ ہم مذہب[4] کے ہیں (۳) اہل النبی کے معنے حضورؐ کی تمام بی بیاں[1]۔ تمام بیٹیاں[2]۔ آپ کے داماد[3]۔ تمام اُمت[4] ہیں۔ (۴) اہلبیت کے اولیٰ

اور حقیقی معنی تو بیوی کے ہیں مگر مجازی اور ثانوی معنے تین ہیں (الف) وہ افراد جن سے مرد کا نسب نکلا یا ملا ہے جیسے ماں باپ۔ چچا پھوپھو۔ خالہ ماموں۔ ان رشتوں کے بھائی بہن (ب) وہ افراد جن سے آئندہ اس مرد کی نسل اور ذُرّیت چلے گی جیسے بیٹے بیٹی۔ بہو۔ داماد۔ پوتا پوتی۔ نواسے نواسی (ج) ہم خیال۔ ہم مذہب ساتھی۔ دوست۔

چند عقلی پہلو:۔ ذیل میں چند عقلی پہلو بھی اہلبیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے لکھے جاتے ہیں:۔

۱۔ بیت کے معنی ہیں رات گزارنا۔ شب باش ہونا پھر مجازاً شب باشی کی جگہ۔ کوٹھری۔ پس مرد کی اہلبیت اصالۃً وہ ہے جو اس کے ساتھ کہیں رات گزارے۔ چونکہ مرد کے ساتھ اس کی بیوی ہی کوٹھری میں رہتی ہے اس لئے بیوی تو اصالۃً اور حقیقۃً اس کی اہلبیت ہے۔ بچے بعد میں پیدا ہوتے ہیں اس لئے بیٹا بیٹی دوسرے درجہ میں اہلبیت ہیں۔

۲۔ مرد کی اولاد تو بیوی ہی کی وساطت سے مرد کے گھر میں شریک ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کے دوسرے رشتہ دار۔ اس صورت میں یہ کہنا اور سمجھنا کہ اولاد اور داماد تو اہلبیت ہیں مگر بیوی اہلبیت نہیں عقل کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنا ہے۔

۳۔ جب تک عورت یا مرد کی شادی نہیں ہوتی یہ لوگ اپنے باپ کے اہلبیت شمار تے ہیں۔ مگر جب شادی ہو جاتی ہے اس وقت مرد مُتأہّل (اہل والا) کہلاتا ہے اور عورت اُس کی شریکِ زندگی۔ اس کی اہل۔ اہلیہ۔ اہل خانہ اور اہلبیت کہلاتی ہے۔

۴۔ بیوی عام حالات میں بیاہ کے دن سے مرتے دم تک مرد کے ساتھ رہنے کے لئے آتی ہے۔ اتنی طویل رفاقت بیٹے کو بھی نصیب نہیں ہوتی اور بیٹی کو تو ممکن ہی نہیں۔ بلوغ اور نکاح کے بعد مرد سے اولاد کی ذمہ داری تو ختم ہو ہی جاتی ہے دلی تعلق اور لگاؤ میں بھی

کمی آجاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں بیوی سے تعلق خاطر روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔
اگر کبھی زن و شو میں طلاق سے مفارقت بھی ہو جاتی ہے تو مفارقت تو کسی نہ کسی باعث اولاد سے بھی ہو جاتی ہے بیٹی سے تو ہمیشہ ہی کیونکہ وہ نکاح کی وجہ سے اپنے شوہر کی اہلبیت بن جاتی اور وہیں کی ہو جاتی ہے اور بیٹے سے بھی خواہ گھریلو ناموافقت اور رنجش کے باعث یا دلآزاری سرکشی اور عقوق کی بنا پر۔

۵۔ بیوی اور اولاد دونوں کے رشتے خُدا کے بنائے ہوئے ہیں اُسی کی حکمتِ بالغہ نے ایک رشتہ (ولدیت) کو ناقابلِ نسخ و تبدیلی بنایا اور دوسرے رشتہ (زوجیت) کو قابلِ نسخ و تبدیل رکھا۔ خُدا کے قانونِ رحمت نے بیوی کو مرد کے سر اس طرح نہیں منڈھ دینا چاہا کہ مرد اسے ساتھ باندھے رکھنے پر مجبور ہو جائے اور ناموافقت کی صورت میں بھی وہ گلے کا ہار اور جان کا عذاب بنی رہے بلکہ طلاق کے ذریعہ اُس سے نجات بھی حاصل کر سکتا ہے۔ طلاق سے مرد کو اس کمر بندی رشتہ سے رہائی مل سکتی ہے۔ اولاد کا رشتہ گو خون کا ہوتا ہے مگر آب و دانہ کی کشش یا عائلی ناموافقت یا عقوق کی صورتوں میں (یا لڑکی کے نکاح ہو جانے اور سسرال چلے جانے کے باعث) مرد کی اس سے بھی رفاقت و یکجائی ختم ہو جاتی ہے پس یہ کہنا کہ "بیوی کو چونکہ چھوڑا یا بدلا جا سکتا ہے اس لئے وہ اس کے گھر کی نہ کہی جائے گی اور اولاد کو چونکہ چھوڑا یا بدلا نہیں جا سکتا اس لئے وہ البتہ مرد کے گھر سے تعلق رکھتی ہے" محض ایک مغالطہ ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ بیوی سے طلاق سے علٰحدگی کوئی کلیہ نہیں۔

۶۔ بیوی، دراصل مرد کی دوست و رفیق۔ کفو و ہم پلہ۔ ہمسر و ہمبستر۔ عزت و آبرو۔ ننگ و ناموس۔ جوڑا اور گوئیں زوج و جفت۔ شریکِ حال اور ہم خیال۔ ایک جان کی دوسری قالب اور شدتِ اتصال اور غایتِ وابستگی کے باعث مرد کی مثنیٰ ہے۔ مرد کے یہاں آنے کے بعد پھر عورت کی کوئی جداگانہ شخصیت رہ ہی نہیں جاتی۔ مرد کا گھر اس کا گھر۔

مرد کا مال اس کا مال۔ مرد کا نفع و نقصان اس کا نفع نقصان۔ مرد کا خاندان اس کا خاندان۔ مرد کی شہرت یا بدنامی اس کی بدنامی یا شہرت بن جاتی ہے۔ غرض عُرف و شرع، عقل و نقل کی رُو سے بلا مبالغہ وہ انسانی زندگی میں صوفیہ کے نظریہ "وحدۃ الوجود" کا نمونہ اور عملی تعلیم ہے۔ مرد کے ساتھ اس کا حال بالکل اس مصرع کا مصداق ہوتا ہے کہ ؏

بادجودت زمن آواز نیاید کہ منم

بیوی کے خلاف، مرد کسی، کی حتیٰ کہ اپنی اولاد کی بھی کوئی حرکت برداشت نہیں کرسکتا۔ اولاد کے متعلق مرد اُس قدر ذکی الحس نہیں ہوتا جتنا وہ بیوی کے بارہ میں ہوتا ہے۔ بیوی کو تو وہ اپنا ہمسر و شئی سمجھتا اور سمجھ سکتا ہے مگر اولاد کو اپنے سے کم اور چھوٹا سمجھنے پر وہ مجبور اور مجبول ہے۔

تفضیل عائشہ رضؓ و فاطمہ رضؓ کی بحث | لوگ عموماً ازواج و اولاد کے فرق کو غور سے نہیں سمجھتے اسی وجہ سے علماء میں وہ تمام بحثیں پیدا ہوگئی ہیں جو سیدہ عائشہ و سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان تفضیل و تدریج کے متعلق کتابوں میں درج ہیں مجھے تو ان میں صاف یہ نظر آتا ہے کہ "سیدہ فاطمہ اور بنو فاطمہ کے متعلق فرطِ عقیدت و محبت کو محض غلبۂ حال کی وجہ سے اُمت نے ایک شرعی اور کلامی عقیدہ بنا لیا ہے اور اس طرح دانستہ بھی اور نا دانستہ بھی حضرات خلفاء راشدین۔ سیدات اُمہات المومنین رضی اللہ عنہم کی سخت حق تلفیاں ہوتی رہی ہیں۔"

میں نے اس سلسلہ میں مشکوٰۃ و بخاری کے ابواب مناقب فاطمہ و عائشہ کو اور اس کے حواشی اور بعض شروح کو پڑھا مجھے اس میں فلاں اور فلاں کے آرا و اقوال کا انبار تو ضرور ملا۔ مگر اللہ مجھ پر رحم فرمائے مجھے ان کی باتوں سے کوئی تسکین نہ ہوسکی مجھے ان کے اقوال میں ارشادِ رسول ﷺ سے مطابقت بہت کم ملی۔ میں ذیل میں پہلے چند علمائے سلف کے اقوال درج کرتا ہوں پھر اپنا عقیدہ و تحقیق مجملاً لکھوں گا اس کے بعد اپنے عقیدے کے دلائل عرض کروں گا۔

اقوال علماء:۔ ۱۔ مریم و آسیہ کا درجہ فاطمہ۔ خدیجہ و عائشہ سب سے افضل ہے (لمعات) رضی اللہ عنہن۔

۲۔ کثرۃِ علم میں عائشہ۔ شرفِ اصل میں فاطمہ افضل ہیں رضی اللہ عنہما (ابن التین)

۳۔ فاطمہ کی افضلیت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس کے بعد خدیجہ و عائشہ میں اختلاف ہے (عسقلانی) رضی اللہ عنہن۔

۴۔ فاطمہ تمام عورتوں سے یہاں تک کہ خدیجہ۔ عائشہ۔ آسیہ۔ مریم سب سے افضل ہیں (مرقات ملا علی) رضی اللہ عنہن۔

۵۔ اظہر یہ ہے کہ عائشہ کمالات علمیہ و عملیہ کی جامع ہونے کی وجہ سے یا تو تمام ازواج رسول ؐ میں افضل ہیں یا بالعموم تمام جنسِ اناث میں مطلقاً یا خدیجہ کے بعد ہیں (ملا علی قاری) رضی اللہ عنہن۔

۶۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ تمام طبقہ جنس اناث میں مطلقاً تو مریم اور فاطمہ افضل ہیں۔ لیکن امہات المومنین میں خدیجہ و عائشہ افضل ہیں (سیوطی) رضی اللہ عنہن (بخاری ج ا ص ۵۳۲ کے حواشی میں مذکورہ بالا علما کے فضل و کمال کا اعتراف کرتا ہوں اور ان کے احسانات علمی کا شکر گزار بھی ہوں مگر نہایت ادب سے میں ان سے اختلاف کرتا ہوں۔

میرا عقیدہ:۔ میں نے بخاری و مشکوٰۃ کی انھیں احادیث سے جن کی شرح میں علماء نے مذکورہ بالا اقوال فرمائے ہیں خواتینِ مذکورہ میں فضیلت اس ترتیب سے سمجھی ہے۔

نمبر ۱۔ جنس اناث میں مطلقاً سب سے افضل محسنۂ عالم۔ اوّل الایمان سیدہ خدیجۃ الکبریٰ الطاہرہ رضی اللہ عنہا و ارضاہا ہیں اگلی پچھلی خواتین میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں نہ سیدہ حوّا۔ نہ آسیہ نہ مریم نہ عائشہ نہ فاطمہ رضی اللہ عنہن۔

نمبر ۲۔ سیدہ خدیجہ کے بعد مطلقاً سب سے افضل ام المومنین سیدہ عائشۃ الصدیقۃ الکبریٰ

رضی اللہ عنہا وارضاہا ہیں ان کے برابر نہ حوا ہیں نہ آسیہ نہ مریم ۔ نہ فاطمہ رضی اللہ عنہن۔

نمبر ۳۔ خدیجہ و عائشہ کے بعد درجہ سیدہ مریم بنت عمران اور سیدہ آسیہ زوجۂ فرعون کا ہے رضی اللہ عنہما وارضاہما۔ مُلا علی قاری نے مسند امام اعظم کی شرح میں طبرانی کی یہ روایت لکھی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم و آسیہ کو جنت میں میری زوجہ بنایا ہے۔

نمبر ۴۔ خدیجہ و عائشہ و مریم و آسیہ کے بعد آنحضرتؐ کی بقیہ تمام ازواجِ مُطہّرات اہلبیتِ قرآنی ہیں رضی اللہ عنہن وارضاہن۔

نمبر ۵۔ ان تمام مذکورہ خواتین کے بعد جملہ انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مومن ازواج ہیں۔ سیدہ حوا انھیں میں سے ہیں رضی اللہ عنہن وارضاہن۔

نمبر ۶۔ مذکورہ خواتین کے بعد سیدہ فاطمہ زہرا، بتول ہیں رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

نمبر ۷۔ ان سب کے بعد آنحضرتؐ کی بقیہ تینوں صاحبزادیاں۔ ان کے بعد تمام انبیا و مرسلین کی صاحبزادیاں۔ پھر خلفاء ثلاثہ کی مومن ازواج۔ پھر حضرت علیؓ کی بقیہ ازواج۔ پھر تمام صحابۂ محمدؐ کی مومن ازواج۔ پھر تمام انبیا کے صحابہ کی مومن ازواج پھر درجہ بدرجہ تابعین و تبع تابعین اور ان سے لے کر قیامت تک کی تمام جنتی مسلمانوں کی بیبیاں واللہ اعلم۔

[انتباہ] ۱۔ سیدہ فاطمہؓ صرف نمبر ۷ کی خواتین کی سردار ہوں گی ۲۔ تفضیلِ فاطمہ کی بحث دراصل تمام بقیہ بناتِ محمدؐ کے مقابلہ میں اور تمام دیگر انبیا کی صاحبزادیوں کے مقابلہ میں اور تمام صحابہ کی مومن بیٹیوں کے مقابلہ میں اور بعد کے تمام جنتی مسلمانوں کی بیبیوں کے مقابلہ میں تھی اور ہونی بھی چاہئے تھی مگر برا ہو فتنۂ عجم کا جس نے اس بحث کو لے جاکر دیگر انبیاء کی ازواج بلکہ خود حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج خصوصاً سیدہ خدیجہ و عائشہ کے مقابل میں بھی بھڑا دیا حالانکہ جس طرح آنحضرتؐ دیگر انبیا سے اور حضورؐ کی کتاب دیگر کتب آسمانی سے حضورؐ کے صحابہ دیگر انبیا کے صحابہ سے۔ آپ کی شریعت اور آپ کی اُمت دیگر

شرائع و اُمم سے افضل ہیں اُسی طرح حضورؐ کی صاحبزادیاں، دیگر انبیا کی صاحبزادیوں سے (اور پھر ان بنات محمد میں بھی سیدہ فاطمہ) افضل تھیں۔ ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا اب میں مناقب فاطمہ و عائشہ کی احادیث و روایات مع شرح کے پیش کرتا ہوں اور اپنے مذکورہ عقیدے کی دلیل بنا کر پیش کرتا ہوں۔

مناقب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا: قرآن میں تو حضورؐ کی کسی صاحبزادی کا بھی نام نہیں آیا۔ سورہ احزاب میں بناتک (آپ کی بیٹیاں) آیا ہے تو وہ ستر و حجاب کے سلسلہ میں آیا ہے اس میں چاروں صاحبزادیاں داخل ہیں۔ رہ گیا سورہ آل عمران میں نساءنا کا لفظ تو اس سے سیدہ فاطمہ کو مراد لینا باطل ہے۔ نساء ازواج کو کہتے ہیں دختر کو نہیں۔ البتہ احادیث یہ ہیں:-

حدیث اوّل - بخاری میں ایک روایت سیدہ عائشہؓ سے ہے: "ہم سب ازواج نبی، حضورؐ کے پاس موجود تھیں کہ سیدہ فاطمہ آئیں ان کی چال حضورؐ کی چال سے بہت ملتی جلتی تھی۔ چال چھپ نہیں سکتی تھی۔ حضورؐ نے انھیں دیکھ کر فرمایا آؤ میری بیٹی - مرحبا۔ پھر آپ نے ان کو بٹھایا پھر ان سے کچھ چپکے سے فرمایا تو وہ بہت روئیں جب آپ نے اُن کا رنج دیکھا تو دوبارہ اُن سے کچھ چپکے سے فرمایا تو وہ ہنس پڑیں جب حضورؐ چلے گئے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ حضورؐ نے تم سے چپکے چپکے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا میں حضورؐ کا راز ظاہر نہ کروں گی جب حضورؐ کی وفات ہو گئی تو میں نے اُن سے کہا اے فاطمہ۔ میرا تم پر جو حق ہے اس کا واسطہ دے کر میں پوچھتی ہوں کہ وہ بات بتاؤ کہنے لگیں ہاں اب بتاتی ہوں۔ حضورؐ نے پہلی سرگوشی میں یہ بتایا تھا کہ جبرئیل مجھ سے ہر سال قرآن کا دَور ایک بار کرتے تھے اس سال انھوں نے دو بار دَور کیا۔ اس کا مطلب میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری زندگی اب قریب ختم ہے۔ دیکھو تم اللہ کی نافرمانی سے بچنا اور صبر سے کام لینا۔ میرا پہلے جانا ہی تمھارے لئے مفید ہے اس پر میں رو دی تھی جب

حضورؐ نے میری بے تابی دیکھی تو دوبارہ چپکے سے یہ کہاکہ اے فاطمہ کیا تم
اس پر راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی یا مسلمانوں کی عورتوں کی سردار بنو (دوسری روایت)
پہلی سرگوشی میں حضورؐ نے مجھے خبر دی کہ اسی مرض میں میرا انتقال ہو جائے گا اس پر میں روئی
تھی پھر دوسری سرگوشی میں یہ خبر دی کہ حضورؐ کے تمام گھر والوں میں سے میں ہی سب سے پہلے
آپ سے جا ملوں گی اس پر میں ہنسی تھی۔"

تشریح:(۱) دونوں روایتوں کی دوسری سرگوشی کے الفاظ پر میں نے خط کھینچ دیا ہے۔ ناظرین ذرا اپنی اپنی عقلوں کی طرف رجوع کر کے جواب دیں کہ جب سیدہ فاطمہؓ کو اپنے محترم والد سید الرسل کی خبر پر ایسا صدمہ ہوا کہ وہ چیخ کر رو پڑی ہوں اس وقت کیا دوسری سرگوشی کی یہ خبر انھیں مسرت بخش سکتی ہے کہ تم جنتیوں کی بیبیوں کی سردار بنوگی یا یہ خبر کہ تم تو بہت جلد سب سے پہلے مجھ سے آملوگی؟ مجھے تو سردار بننے کی خبر اس موقع پر مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ لہٰذا سیدۃ نساء اہل الجنۃ کی روایت میرے نزدیک موزوں نہیں (۲) پھر چونکہ راوی نے شک ظاہر کیا ہے کہ حضورؐ نے شاید سیدۃ نساء اہل الجنۃ فرمایا تھا یا شاید سیدۃ نساء المومنین فرمایا تھا اس لئے میرے نزدیک اس کا صحیح محمل قدر مشترک کے طور پر یہ ہے کہ غیر انبیا جنتی مسلمانوں کی بیبیوں کی سردار سیدہ فاطمہ ہوں گی کیونکہ مومنین کی اصطلاح غیر انبیا مومنین ہی کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ بعض جگہ تو اہل الجنۃ کے اطلاق کی توضیح الّا النبیّین والمرسلین کا استثنا فرما کر خود ہی فرما دی جیسے "ابو بکر و عمر سیدا کہول اہل الجنۃ الّا النبیّین والمرسلین"۔ یہ دیکھ کر بعض جگہ اگر توضیح نہیں ہے تو دیانت و علم کو لازم ہے کہ وہاں یہ استثنا ملحوظ رکھیں اس کا مطلب یہ ہے کہ فاطمہ سیدۃ نساء اہل الجنۃ الّا ازواج المرسلین۔ (۳) جنت میں بیبیوں کا درجہ وہ ہوگا جو ان کے شوہروں کا ہوگا۔ اس لحاظ سے سیدات خدیجہ و عائشہ و جملہ ازواج النبیؐ کا قیام اور سیدہ مریم و آسیہ کا قیام اُن سب سے بلند اور سب سے

بہتر جنت میں ہوگا جہاں حضورؐ کا قیام ہوگا۔ حضورؐ کی جنتِ اعلیٰ کے بعد دیگر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قیامگاہیں ہوں گی اور انھیں کے ساتھ ان کی مومن ازواج۔ ان کے مقابلہ میں سیدہ فاطمہؓ کا قیام سیدنا علیؓ کے ساتھ ان کی جنت میں ہوگا جو یقیناً حضورؐ کی اور جملہ انبیا کی جنتوں سے کم اور نیچے ہوگی اس صورت میں میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ سیدہ فاطمہ کس طرح آنحضرتؐ کی ازواج یا جملہ انبیاؑ کی ازواج کی سردار ہوں گی۔ جنت میں تو چار خواتین جنتی عورتوں کی سردار ہونگی (مرقاۃ)

حدیث دوم :۔ ترمذی کی ایک حدیث بروایت انسؓ ہے کہ: "حضورؐ نے فرمایا تم کو دُنیا بھر کی عورتوں میں سے مریمؑ بنت عمران۔ خدیجہ بنت خُوَیلد۔ فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں"۔ رضی اللہ عنہن۔

تشریح :۔ (۱) اس پر مُلا علی قاری نے مرقاۃ میں مذبذب رائے دی ہے کہ "شاید جس ترتیب سے نام بیان ہوئے ہیں اسی ترتیب سے فضیلت بھی ہے۔ یا شاید اس وقت تک عائشہ کامل نہیں ہوسکی تھیں۔ یا شاید عائشہؓ حضورؐ کے گھر نہیں آئی تھیں"۔ اس رائے میں تین شاید لانے سے صاف ظاہر ہے کہ شارح کو تیقّن اور جزم کسی پر نہیں۔ (۲) اس حدیث کا مطلب میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضورؐ نے کسی سلسلۂ گفتگو میں تمام طبقۂ اناث میں سے چار ہی خواتین کا انتخاب فرمایا کہ یہ چاروں، ممتاز خواتین ہیں اور ہر ایک کے احوال و ظروف جُداگانہ ہیں۔ ان کا ذکر گویا مختلف احوالِ خواتین کا ایک نمونہ ہے ان کی ہی سیرت اپنانی چاہیے۔

الف :۔ سیدہ مریمؑ خود بھی صدیقہ اور صدیق بنی اسرائیل کی بیٹی تھیں۔ ایک پیغمبر کی ماں تھیں، یہ ایک نمونہ ہوا انھوں نے تہمت پر بے نظیر صبر کیا۔

ب :۔ سیدہ خدیجہؓ خود بھی صدیقہ تھیں پیغمبر آخرالزماں سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگسار بی بی تھیں یہ دوسرا نمونہ تھا انھوں نے شوہر پر ذات اور دولت کو نثار کر دیا۔

(ج) سیدہ فاطمہؓ خود بھی صدیقہ تھیں۔ سید الرسل کی صاحبزادی تھیں۔ اور ایک

صدیق علیؓ کی بی بی تھیں یہ تیسرا نمونہ ہوا۔ فقر و فاقہ میں بسر کیا۔

د:۔ سیدہ آسیہؓ خود تو صدیقہ تھیں حضرت موسیٰ کی مُربی اور محسن تھیں مگر فرعون کی زوجیت میں زندگی بھر روحانی کوفت میں صبر سے گزارتی رہیں پھر شہید کر دی گئیں یہ چوتھا نمونہ ہوا۔ میرے نزدیک اس میں ترجیح و تفضیل سرے سے مقصود نہیں۔ البتہ ہر نمونہ کی منقبت ضرور ہے۔ (۳) اگر میرا مطلب صحیح ہے تو یہ ظاہر ہے کہ دُنیا کی دوسری خواتین تقوا شعار بھی ان نمونوں میں سے کسی نہ کسی نمونہ میں داخل ہو سکتی ہیں حضرت سیدہ عائشہؓ جو خود بھی صدیقۃ الکبریٰ تھیں اور صدیق اکبر کی بیٹی تھیں سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی تھیں کسی ایک ہی نمونہ میں نہیں بلکہ مذکورہ دو تین نمونوں کی جامع معلوم ہوتی ہیں۔

حدیثِ سوم:۔ ترمذی میں سیدہ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ "حضورؐ نے فتح مکہ والے سال سیدہ فاطمہؓ کو بلایا اور ان سے کچھ چپکے سے فرمایا تو وہ رو پڑیں پھر آپ نے کچھ فرمایا تو وہ ہنس دیں۔ جب حضورؐ نے وفات پائی تو میں نے اُن سے (اُس دن) پہلے رونے اور پھر ہنسنے کا قصہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ حضورؐ نے پہلے مجھے یہ خبر دی تھی کہ آپ کا انتقال جلد ہونے والا ہے تو میں رو پڑی تھی پھر آپ نے مجھے خبر دی کہ میں اہل جنت کی سردار ہونگی بجز مریم بنت عمران کے تو میں ہنس پڑی"۔ تشریح:۔ ۱۔ پہلی بات تو وہی ہے کہ سیدہ فاطمہ کو والد محترم کے فراق کا غم اس طرح بھلا دینے والی چیز جو ہنسا بھی دے میرے نزدیک جنت کی سرداری نہیں ہو سکتی۔" اس قرینہ سے اسے تسلیم کرنے میں ذرا تامل ہوتا ہے اور اس کی صحت کچھ محلّ نظر معلوم ہوتی ہے۔ ۲۔ خیر اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو حضورؐ ہی نے تو اس کی بھی تصریح کر دی کہ سیدہ فاطمہ کا درجہ سیدہ مریم سے کم ہے۔ ۳۔ فتح الباری ج ۷ مناقب فاطمہ کے ترجمۃ الباب میں عسقلانی نے حاکم سے یہی روایت نقل کی ہے اس لیے اگر ترمذی کی روایت ام سلمہ میں الّا مریم کا لفظ (بخاری کی روایت عائشہ

کے مقابلہ میں) اضافہ ہے تو اوّل تو ثقہ کی زیادت معتبر ہے دوسرے حاکم کی یہ روایت اس روایتِ ترمذی کی شاہد ہے۔

خلاصۂ بحث:۔ ا۔ ان کے علاوہ بعض احادیث میں سیدہ فاطمہؓ کو حضورؐ نے اپنے جسم کا ٹکڑا[1] فرمایا۔ ان کو اپنا محبوب[2] فرمایا۔ ان کی ایذا[3] سے اپنی ایذا کا ذکر فرمایا ان کو اپنی اہلبیت[4] فرمایا تو ان مناقب میں دوسرے لوگ بھی برابر کے شریک ہیں بضعۃ منی میں حضورؐ کی دوسری اولاد ذکور و اناث بھی داخل ہیں۔ محبوب ہونے میں سیدہ عائشہ۔ علی۔ اُسامہ۔ اُمامہ۔ حسنین بھی شامل ہیں ان کی ایذا سے ایذا نبی ہونے میں تمام صحابہ شریک ہیں حدیث صحیح ہے۔ "من آذاھم فقد آذانی" حضرت عباس و عائشہ کے لئے بھی یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے۔

(۲) یہ ہیں مناقب فاطمہ ایک بے لاگ نقد و درایت کی نظر میں۔ اب اس کے بعد ذرا عسقلانی کے "انعقاد اجماع" پر انصاف سے غور کیجئے۔ کیا عجیب ہے یہ اجماع!

مناقب سیدہ عائشہؓ | قرآن میں امہات المومنین، اہلبیت قرآنی رضی اللہ عنہن میں سے کسی کا نام نہیں آیا۔ البتہ ان کا ذکر ازواجک۔ نساء النبی۔ بیوت النبی۔ بیوتکن۔ اہل البیت کے الفاظ سے ضرور آیا ہے۔

حدیث اوّل:۔ بخاری میں سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ: "حضورؐ نے ایک روز فرمایا اے عائشہ! یہ جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں تمھیں سلام کہہ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا۔ ان پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔ آپ ہی دیکھ رہے ہیں میں تو دیکھ نہیں سکتی" تشریح:۔ (۱) بیان فضائل کے لئے امام بخاری کے یہاں تین تعبیریں ملتی ہیں ذکر[1] (جیسے ذکر اُسامہ۔ ذکر معاویہ) مناقب[2] (جیسے مناقب فاطمہ) فضل[3] (جیسے فضل ابی بکر)۔ مذکورہ حدیث باب فضل عائشہ میں لائے ہیں۔ چونکہ تفضیل و ترجیح کی بحث میں فضل کی تعبیر زیادہ صریح ہے اس لئے گویا امام نے

باب باندھتے ہی میں اپنا فیصلہ سُنا دیا کہ میرے نزدیک سیدہ عائشہؓ سب سے افضل ہیں (۲) حضورؐ
سیدہ عائشہ کا وہی درجہ بتا رہے ہیں جو اولیائے صدّیقین میں بھی سب سے بلند ہے
جس کی تعبیر اگلی حدیث میں کامل سے اور حضرت عمرؓ کے متعلق مُلہَم اور مُحدَّث اور لو کان
بعدی نبیا سے فرمائی ایسے افراد پر بس وحی تو نہیں آتی مگر ان کو الہام سے اور کلام
خداوندی سے اور جبریل سے بہت مناسبت ہوتی ہے اس حدیث میں حضرت جبرئیل کا
ان کو سلام کہنا۔ اور دوسری حدیث میں ان کے لحاف میں حضورؐ پر وحی اُترنا اسی مناسبت
کو ظاہر کرتا ہے اس کے آثار و لوازم میں سے علم کی کثرت ہے (۳) حضرت جبرئیل کا ان کو یا
سیدہ خدیجہ کو سلام کرنا بہت بڑی فضیلت ہے جو حدیث میں حضور کے ارشاد سے ثابت
ہے یہ بات سیدہ فاطمہ کو حاصل نہیں۔ شعرا نے اگر ملائکہ یا جبرئیل کو سیدہ فاطمہ کے گھر کا
دربان وغیرہ کہا تو وہ محض شاعری ہے۔ شرعی ثبوت نہیں۔

حدیث دوم:۔ بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا
"مردوں میں تو بہت سے لوگ کامل ہو گزرے ہیں مگر عورتوں میں اب تک یا تو مریم بنت عمران
نے یہ درجہ پایا ہے یا آسیہ زوجۂ فرعون نے اور عائشہ کی فضیلت تو تمام عورتوں پر یا ان عورتوں
پر ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر" تشریح:۔ (۱) حدیث کا ماخذ میرے خیال
میں قرآن کی سورۂ تحریم کی آخری آیات ہیں (۲) کَمُلَ (کامل ہوئیں) کے سلسلہ میں کرمانی
وغیرہ کا قول جی کو نہیں لگتا۔ بزرگوں کی برکت سے میں کہتا ہوں مراد نبوت سے نیچا مگر صدیقیت
کا سب سے اونچا درجہ ہے جس کیلئے دوسری احادیث میں مُلہَم۔ مُحدَّث۔ لو کان بعدی نبی کی
تعبیریں ہیں کرمانی مذکور نے جو فضائل مخصوصۂ نساء کا نکتہ اس میں نکالا ہے اس کی بجائے میرا تو
خیال ہے کہ حضورؐ یہ فرما رہے ہیں کہ نبوت تو مردوں کے ساتھ مخصوص ہے البتہ عورتوں کو
وہ درجہ مل سکتا ہے جو نبوت کے نیچے ہے اور اس میں وہ مردوں کی شریک ہو سکتی ہیں واللہ اعلم

(۳) یہ طرز بیان کہ دو کامل ترین خواتین کے بعد عائشہ کو کہا کہ تمام خواتین میں ان کا درجہ اسی طرح بڑا ہے جیسے ثرید بقیہ تمام کھانوں سے بڑھا ہے صاف بتاتا ہے کہ سیدہ عائشہ کا درجہ سب سے بڑا ہے (۴) حضورؐ سیدہ فاطمہ کو سیدہ مریمؑ سے کم اور سیدہ عائشہ کو سیدہ مریم سے بڑھ کر بتاتے ہیں پھر بھی علماء کو تحیر و تذبذب ہے کہ کس خاتون کو افضل سمجھیں اور عسقلانی اجماع منعقد کرتے ہیں کہ فاطمہ سب سے افضل ہیں؟ یا للعجب!

حدیث سوم:۔ بخاری باب فضل عائشہ میں عروہ سے روایت ہے کہ "تمام صحابہؓ حضورؐ کو ہدیہ بھیجنے میں حضرت عائشہؓ کی باری کا انتظار کرتے تھے تو عائشہ کہتی تھیں کہ میری سوکنیں ایک دن ام سلمہؓ کے گھر اکٹھا ہوئیں [کیونکہ ازواج رسول دو فریق تھیں ایک میں عائشہ حفصہ صفیہ۔ سودہ اور دوسرے میں ام سلمہ۔ جویریہ۔ میمونہ۔ زینب۔ ام حبیبہ رملہ تھیں رضی اللہ عنہن] سب نے کہا اے ام سلمہ بخدا لوگ حضورؐ کو ہدیہ دینے میں عائشہ ہی کے دن کے منتظر رہتے ہیں۔ ہم بھی تو اسی طرح خیر کے متمنی ہیں جیسی عائشہؓ۔ تم سب حضورؐ پر زور دو کہ آپ سب کو حکم دیں کہ وہ حضورؐ کے پاس روز ہدیے بھیجا کریں چاہے حضورؐ جس بی بی کے پاس بھی رہیں۔ ام سلمہؓ نے یہ بات حضورؐ سے کہی تو حضورؐ نے مجھے (ام سلمہ) سے منہ پھیر لیا۔ جب حضورؐ دوبارہ میری (ام سلمہ کی) باری میں آئے تو میں نے پھر آپ سے وہی بات کہی آپ نے پھر منہ پھیر لیا جب تیسری بار آپ میرے یہاں تشریف لائے تو پھر میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تب حضورؐ نے (ناخوشی میں) فرمایا "اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارہ میں ایذا نہ دو خدا کی قسم عائشہ کے سوا تم میں سے کوئی بی بی ایسی نہیں کہ میں اس کے ساتھ لحاف میں رہا ہوں اور مجھ پر وحی اتری ہو" [بقیہ حدیث کی تفصیل باب من اھدیٰ الی صاحبہ سے نقل کرتا ہوں] تو ام سلمہ نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! میں اللہ سے توبہ کرتی ہوں آپ کی ایذا سے۔ پھر ازواج نے سیدہ فاطمہؓ کو بلوا بھیجا اور ان کو حضورؐ کے پاس یہ کہنے کو بھیجا کہ آپ کی بیبیاں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر ابوبکرؓ کی لڑکی کے بارہ

میں انصاف کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ فاطمہؓ نے حضورؐ سے اس کے متعلق عائشہؓ کے گھر آ کر کہا تو آپ نے فرمایا اے میری بیٹی! کیا تمھیں وہ محبوب نہیں ہے جو مجھے محبوب اور پسند ہے انھوں نے کہا ہاں کیوں نہیں؟ پھر فاطمہؓ ازواج کے پاس واپس پہنچیں اور ان کو واقعہ بتایا تو ان سب نے کہا نہیں پھر جاؤ اور حضورؐ سے عرض کرو۔ سیدہ فاطمہ نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا تب انھوں نے زینب بنت جحش کو وکیل بنا کر بھیجا وہ آئیں اور انھوں نے حضورؐ سے سخت اور تیز لہجہ میں گفتگو کی اور کہا کہ آپ کی تمام ازواج آپ سے ابن ابو قحافہ کی بیٹی کے بارہ میں خدا کا واسطہ دے کر انصاف کا مطالبہ کرتی ہیں اس میں اُن کی آواز اونچی ہو گئی یہاں تک کہ انھوں نے عائشہؓ پر چوٹیں بھی کیں۔ عائشہ چُپ بیٹھی تھیں زینب نے ان کو بُرا بھلا کہا اتنا کہ حضورؐ عائشہؓ کی طرف نظر اُٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے کہ وہ کچھ بولیں۔ یہ دیکھ کر تو عائشہؓ نے پھر زینبؓ کو ایسا ایسا جواب دیا کہ اُن کا منہ بند کر دیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں کیوں نہ ہو آخر ابو بکرؓ کی بیٹی ہے۔" **تشریح**:۔ (۱) اس حدیث سے سیدہ عائشہ کی انتہائی فضیلت بلکہ افضلیت ثابت ہوتی ہے کہ حضورؐ کو عائشہ کی ایذا سے ایذا ہونا سیدہ فاطمہؓ کو عائشہؓ سے محبت کرنے کا حکم[1] مفہوم ہوتا ہے (۲) حضورؐ کسی بی بی کے ساتھ لحاف میں رہے ہوں اور وحی اُتری ہو یہ بات غالباً سیدہ خدیجہؓ کو بھی حاصل نہیں تھی مگر اس ایک جزوی فضیلت سے سیدہ عائشہ کا درجہ سیدہ خدیجہؓ سے بڑھ نہیں سکتا۔ یہ ضرور کہا جائے گا کہ یہی درجہ کمال کا صدیقیت کے درجۂ اعلیٰ کا۔ الہام و تحدیث کا ہے (۳) عائشہ خود صدیقہ کبریٰ ہیں۔ صدیق اکبر کی بیٹی ہیں سید الرسل کی سب سے زیادہ محبوب بی بی ہیں۔ حضرت جبریل نے ان کو سلام کہا ان کے لحاف میں بھی حضورؐ پر وحی آئی۔ اس سے ان کی غایت طہارت۔ علم سے اور جبریل سے غایتِ مناسبت معلوم ہوتی ہے

خلاصۂ بحث:۔ (۱) اُمت کا اجماع ہے کہ عائشہ کو علم بہت تھا۔ علم احکام تو چوتھائی تنہا عائشہ سے اُمت کو ملا ہے۔ علم ہی سے آدم اور اولاد آدم کو شرف ملا جبکہ اس کے ساتھ عمل بھی ہو۔ چونکہ علم میں سیدہ خدیجہ۔ فاطمہ۔ مریم۔ آسیہ کو کسی نے عائشہ کے برابر نہیں مانا ہے اس سے

[1] ایک روایت میں احبّی ہٰذہٖ کا حکم صریحاً آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ عائشہ سب سے افضل ہیں (۲) عائشہ کی منقبت میں اور باتیں بھی ہیں مثلاً تنعیم جیسی آسانی کا حکم اُمت کو انھیں کی بدولت ملا تنعیم جیسی قریب میقات سے عمرہ کی اجازت انھیں کی بدولت اُمت کو ملی۔ ان کی طہارت و برأت خدا نے قرآن میں اتاری۔ ان کو تہمت لگانے والوں کو قرآن نے دُنیا و آخرت میں ملعون ٹھہرایا۔ بیت عائشہ ہی رہتی دُنیا تک کے لئے بیت نبی بنا۔ گویا اللہ نے حضورؐ کو عائشہ کا اہلبیت دنیا بھر سے منوا دینا چاہا۔

فصل سوم

اہلبیت کی تحدید اور اس کے اسباب

قرآن پاک حدیث شریف اور لغت عرب کے استعمالات میں آپ دیکھ چکے کہ اہل۔ بیت اور اہلبیت کتنے معنوں میں بولا گیا اور عموماً بولا جاتا ہے نیز یہ کہ حضورؐ نے اہلبیت کا لفظ تیرہ افراد کے لئے فرمایا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ جس طرح نسب کے ناطے حضرات ابوسفیانؓ ہاشمی۔ علیؓ۔ اُمّ ہانی۔ دُرّہ رضی اللہ عنہم حضورؐ کے اہلبیت تھے۔ اسی طرح عقل و عدل کا فیصلہ ہے کہ حضرات عباسؓ۔ اولادِ عباسؓ۔ حمزہؓ۔ اولاد حمزہؓ بلکہ حضورؐ کے تمام ہم نسب صحابہ رضی اللہ عنہم اسی ناطے سے اور اتنے ہی قوی استحقاق کے ساتھ حضورؐ کے اہلبیت ہیں اور یقیناً ہیں البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ اول الذکر حضرات کیلئے حضورؐ سے اہلبیت کا لقب ثابت اور وارد ہے اور موخر الذکر حضرات کیلئے وارد نہیں۔

۲۔ جس طرح نسل کے ناطے سیدہ فاطمہؓ کو حضورؐ نے اپنا اہلبیت فرمایا (حالانکہ وہ لغت کے اوّلی اور حقیقی معنی کے لحاظ سے اہلبیتِ علیؓ تھیں) اسی طرح عقل و عدل کا فیصلہ ہے کہ حضورؐ کی بقیہ تینوں صاحبزادیاں (سیدات زینبؓ۔ رقیہؓ۔ ام کلثومؓ) رضی اللہ عنہن نیز حضورؐ

کے تینوں فرزند حضرات عبداللہ۔ قاسم۔ ابراہیم رضی اللہ عنہم) بھی اسی ناطے اور اتنے ہی قوی استحقاق سے حضور کی اہلبیت ہیں اور یقیناً ہیں۔

۳۔ جس طرح اپنی ایک ربیبہ سیدہ زینبؓ بنت ام سلمہؓ کو حضور نے اپنی اہلبیت فرمایا اسی طرح اسی ناطے اور اتنے ہی قوی استحقاق سے عقل و عدل کا فیصلہ حضورؐ کے دوسرے ربائب ذکور و اناث مثل حضرات ہالہؓ و ہندؓ اولاد سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور عمرؓ ابن سیدہ ام سلمہؓ کے متعلق بھی حضورؐ کے اہلبیت ہونے کا ہے۔

۴۔ جس طرح ذرّیتِ رسولؐ ہونے کے ناطے حضورؐ کی ایک دختر سیدہ فاطمہؓ سے حضورؐ کے نواسی نواسے (حضرات سیدنا حسنین۔ زینب۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہم) حضورؐ کے اہلبیت ہیں (حالانکہ یہ اہل بیتِ علی ہیں) اُسی طرح اسی ناطے اسی منطق اور اتنے ہی قوی استحقاق سے حضورؐ کی دوسری دختران سیدات زینبؓ۔ رقیہؓ۔ ام کلثومؓ سے بھی حضورؐ کے نواسی نواسے مثل علیؓ و امامہؓ اولاد سیدنا ابوالعاص اموی اور حضرت عبداللہ بن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم یقیناً حضورؐ کے اہلبیت ہیں۔

۵۔ جس طرح حضورؐ کے نواسوں حضرات حسنین کی اولاد (حضرات علی سجاد۔ زید وغیرہم) کو اہلبیتِ نبی کہا جاتا ہے اُسی طرح حضورؐ کی نواسی سیدہ اُمامہؓ کی اولاد یحییٰ بن سیدنا علیؓ اور دوسری نواسی سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ کی اولاد زید و رقیہ (اولاد سیدنا عمر الفاروق) رضی اللہ عنہم بھی اسی ناطے سے اور اتنے ہی قوی استحقاق سے حضورؐ کے اہلبیت ہیں۔

علم اور عدل، اور عُرف و عقل کا نیز ذرّیتِ رسولؐ سے بھی محبت کا تقاضا تو یہی تھا کہ مذکورہ بالا اقسام میں اول الذکر حضرات کی طرح مؤخر الذکر حضرات کو بھی اہلسنت حضورؐ کے اہلبیت (اہلبیتِ نبیؐ) جانتے اور مانتے۔ کہتے اور لکھتے۔ سمجھتے اور سمجھاتے مگر اب اس کا بھی انصاف اہلسنّت علماء ہی کے ہاتھ ہے کہ تبع تابعین کے عہد سے لے کر آج تک کتنے علماء کتنے

دراز شدہ۔ کتنے مفسرین و محدثین اور کتنے مورخین و مقررین نے ان لوگوں کو بھی اہلبیتِ رسول ص کہا یا لکھا سمجھا یا سمجھایا؟

یہ صحیح اور تسلیم ہے کہ موخر الذکر حضرات کے لئے صراحۃً "لقب اہلبیت" احادیث میں ثابت نہیں مگر اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ان کا حضور ص سے وہ رشتہ نہیں جو اول الذکر حضرات کا ہے۔ پس ان حضرات کو اہلبیت و اہلبیتِ رسول نہ جاننا اور نہ ماننا۔ اور اگر کوئی کہے تو اُس کا بُرا ماننا اور تردید کرنے لگنا اور لفظ اہلبیت کو صرف ذواتِ اربع ہی کے لئے مخصوص جاننا، اہلسنت کا وہ ظلم اور علماء کی وہ غفلت ہے جو بیان سے باہر ہے۔ اور ابن سبا کا وہ زہر ہے جس کا تریاق علما دے سکتے تھے مگر۔ اللہ ان کو معاف فرمائے۔ انھوں نے نہیں دیا۔ (مزید تفصیل آگے آرہی ہے) یہاں فطری طور پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

"جب اہلبیت کا لفظ از روئے قرآن و حدیث بھی اور از روئے لغتِ عربی بھی کافی وسعت رکھتا ہے کہ اس سے زوجہ۔ ماں۔ نسل۔ ہم جد۔ ہم خیال۔ امت۔ علماء و صلحاءِ امت مُراد ہوتے ہیں تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لقب شاید تیرہ چودہ صدیوں سے صرف ایک خاندانِ "بنو فاطمہ" کے لئے مخصوص سا ہو گیا ہے اور اس پر عوام نے بھی اور علماء نے بھی گویا اتفاق[1] سا کر لیا ہے؟ آخر کیوں اس لفظ سے "ہر جگہ" صرف ذُریتِ رسول ص اور ان میں سے بھی صرف ذواتِ اربع" ہی کو مراد لیا جاتا ہے؟"

تو میرے نزدیک اس تحدیدِ لقب کے اسباب، حسب ذیل ہیں:۔

پہلا سبب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے اور ایک صاحبزادے (ابراہیم) بی بی ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے (اور ایک ضعیف روایت کے مطابق ایک بار سیدہ عائشہ رض کو بھی حمل تھا جو ساقط ہوا اور کچھو زاد المعاد

---

[1] ویسا ہی اتفاق جیسا (افضلیت فاطمہ کی بحث) میں علامہ عسقلانی "انعقادِ اجماع" بولتے ہیں۔ ۱۲س

ابن تیم ص) مگر مشیتِ الٰہی سے حضورؐ کی نسل صرف سیدہ فاطمہؓ ہی سے چلی (اور سورہ کوثر میں لفظ کوثر کی ایک تفسیر کثرتِ نسل دُختری بھی ہے)۔ تو اُمتِ محمدیہ نے جب کبھی اپنی محبتِ رسولؐ سے سرشاری کا اظہار آپ کے بعد کرنا چاہا تو ان کو اپنے سامنے صرف بنو فاطمہ (رضی اللہ عنہم و بارک اللہ فیہم) ہی نظر آئے۔ یہ مشیّتِ الٰہی میرے نزدیک ایک اہم معاملہ۔ اسرارِ خداوندی میں سے ایک اہم سِر اور ٹھیک "وَفِیْ ذٰلِکُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ" کا مصداق تھا۔ یہ اُمت کے لئے ایک ابتلا اور آزمائش تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ دُنیا میں ایسا بھی ہو چکا ہے کہ کسی پیغمبر کو یا اس کے صالح فرزندوں کو بعد والوں نے فرطِ عقیدت اور جوشِ محبت میں "خدا۔ معبود اور دیوتا" بنالیا ہے۔ سب سے پہلے سیدنا ادریس علیہ السلام کے پانچ فرزندوں وَدّ۔ سُواع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر کو جوان کے صحابی بھی تھے۔ پنجتن پاک منوا اور پجوادیا[1]۔ پھر ایک مرتبہ چاٹ پڑ جانے کے بعد نہ معلوم کتنی بار[2] تاریخ نے اپنے آپ کو دُہرایا ہوگا جس کی تفصیلات ہم تک نہیں پہنچ سکیں آخر حضرت نبیّنا خاتم المرسلین سید الموحدین صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت میں اس تاریخ نے پھر ایک بار ایک نرالے طرز سے اپنے آپ کو دُہرایا۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے تو انتظام کچھ ایسا فرما دیا تھا کہ اس ملت میں اس "فتنۂ پنجتن" کا دروازہ کھلنے ہی نہ پائے چنانچہ حضورؐ کے فرزندانِ نرینہ کی تعداد "پانچ" ہونے ہی نہیں دی چار ہی رہے دوسرے اُن چاروں کو بھی قبل بلوغ ہی اُٹھا لیا تیسرے یہ کہ اولادِ فاطمہؓ (حضورؐ کی دوسری پشت) میں بھی خُدا نے فرزندانِ نرینہ کی تعداد "پانچ" تک نہیں پہنچنے دی۔ پس بظاہر اس پشت میں بھی فرقِ پنجتن کے لئے کوئی بعید سا امکان بھی نہ تھا

---

[1] جذبہ عبدیت تو اشرف المخلوقات انسان کو صرف معبودِ حقیقی جل جلالہ کے سامنے ظاہر کرنی چاہئے اور اپنے کو صرف اُسی کا عبد کہنا چاہئے تھا مگر بعد میں عبدِ وَدّ۔ عبدِ یغوث نام رکھے جانے لگے حضورؐ کے زمانہ میں بھی اس نام کے لوگ تھے ۱۲ اس۔ [2] ممکن ہے "پانچوں پانڈوں" کا معاملہ بھی اسی قبیل کا ہو ۱۲۔

مگر ابلیس جو خدا تعالیٰ کے سامنے بنی آدم کو گمراہ کرنے کا دعوا کر کے چلا تھا وہ کب خاموش بیٹھنے والا تھا اس نے جب پنجتن کی تعداد ایک پشت سے پوری ہوتے نہ دیکھی تو تین پشتوں سے۔ اور صرف مردوں سے پانچ کی تعداد پوری ہوتے نہ دیکھی تو ایک خاتون کو بھی ملا کر تعداد پوری کر دی کہ پہلی پشت سے حضورؐ کو لیا دوسری پشت سے فاطمہ وعلی کو لیا تیسری پشت سے حسنین کو لیا اور اس طرح کھینچ تان کر کے پنجتن پاک بنوا اور منوا دیا اور پھر اُن سے کام بھی کیا لیا؟ نہ دین سیکھنے کا لیا نہ شرفِ آدمیت حاصل کرنے کا نہ فکرِ آخرت کا لیا بلکہ صرف حرالو بار الحاطمہ کے الجھانے کا لیا انا للہ۔ میں پوچھتا ہوں کہ آخر اُمّت محمدیہ نے یہ پنجتن کا تخیل لیا کہاں سے ہے؟ اگر ہیرو ورشپ (استعظام اکابر) کے جذبہ کی تسکین مقصود تھی تو حضورؐ نے اسی فطری جذبہ (استعظام اکابر) کی تسکین ہی کے لئے تو عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو ایک خصوصی امتیاز دے دیا تھا؟ اگر بالفرض "پنج" ہی کا انتخاب مقصود مقصود تھا تو ایسے پانچ کا انتخاب کرتے جو مسلم طور پر عند اللہ اتقا اور عند الناس اکرم ہوتے اور وہ چار خلفا اور بقیہ چھ میں سے کوئی ایک اور یا خلفا اربعہ کے بعد سیدنا حسن رضؓ کو ملا کر پنج ہوتے مگر آخر یہ کیا خلط مبحث ہے کہ اُمّت کے ساتھ رسول کو بھی ملا لیا اور مردوں کے ساتھ ایک خاتون کو بھی ملا لیا اور چنا بھی ایسے چار حضرات کو جو اُمّتِ محمدیہ میں اہلسنّت والجماعت میں سب سے افضل نہیں ہیں یقیناً نہیں ہیں اور ہرگز نہیں ہیں۔ شبہہ ہو تو عقائد کی کتابیں غور سے پڑھیئے پھر بھی اطمینان نہ ہو تو جمعہ کے دوسرے خطبہ کو غور سے پڑھئے اور سمجھئے اس کے بعد بھی شک باقی رہے تو استفتا کر لیجئے لیکن اگر اس کے بعد بھی کچھ کھٹک باقی

لہ میں نے اُس کی اصلاح کرنے کے لئے یہ شعر کہا ہے ؎

ھُمْ خَمْسَۃٌ نَقفُو بِھِمِ آثارَ دِینٍ تنجلی ۔۔۔ احمد ابوبکر عمر عثمان والخامس علی

ترجمہ شعر میں یہ ہے ؎ وہ پنجتن کہ لیا ہم نے جن سے روشن دین = نبی ہیں اور ہیں عثمان علی ہیں اور شیخین

رہ جائے تو اُس سے اللہ کی پناہ مانگیئے وہی ہے فی قلوبھم مرض ۔ وہی ہے ابن سبا کا زہر!

دوسرا سبب حضرت علیؓ کے خود اپنے زمانہ میں بھی اور ان کے بعد بھی سبائیہ نے پہلے تو شیعۂ علیؓ بن کر پھر خوارج بن کر پھر روافض بن کر سیدنا علیؓ کو بُرا کہا ان کو سوّد اللہ وجہہٗ کی بددُعائیں دیں ان کے مثالب میں (معاذ اللہ) اقوال گھڑنے اور پھیلانے شروع کئے ۔ یہ دیکھ کر اہلسنّت والجماعت نے حضرت علی کی نُصرت کرنا اپنا فریضہ سمجھا اور بہ ضرورتِ دینی ان کو کرّم اللہ وجہہٗ کی دُعائیں دیں اور ان کے مناقب کی اشاعت کی ۔ بعض ضعیف روایات کو بھی مقبول بنا کر شائع کیا بلکہ بعض وقت کچھ حدیثیں گھڑ بھی دیں [اور میرا خیال ہے کہ اُن اہلسنّت نے یہ فعل حضورؐ کے اس ارشاد کی تعمیل میں کیا ہوگا کہ " الکذبُ کُلُّہٗ علیٰ ابن آدم اِلّا فی ثلٰثِ خصالٍ ... ... ورجلٌ کذبَ بین المسلمین لیُصلحَ بینھما " (ترمذی) پس گویہ حدیث گھڑنا دروغ تھا مگر مصلحت آمیز تھا ۔ البتہ کذب علی النبی ہونے کی جہت سے بہت بُرا تھا] مولٰنا حبیب احمد کیرانوی نے تنقیدِ حدیث کساہیں لکھا ہے کہ حدیث " النظرُ الیٰ علیٍّ عبادۃٌ " موضوع ہے اسی قبیل کی احادیث غالبًا اُسی بُحرانی دور کی پیداوار ہیں ۔ اس طرح محبتِ علیؓ اور پھر محبتِ آل علی نے زور پکڑا ۔

تیسرا سبب اسی فتنۂ ابن سبا کے زمانہ میں بعض وقت بعض اہلسنّت نے کسی طویل حدیث سے دیگر صحابہ یا خلفاء ثلٰثہ کا ذکر اختصار کی ضرورت سے حذف کر کے تنہا حضرت علیؓ کی منقبت میں وہ حدیث شائع کی تنہا کسی شخص کی منقبت و محمدت بیان کرنے سے نفسیاتی طور پر سامعین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ بس یہ اس صفت میں یگانہ اور بقیہ سب سے ممتاز ہیں ۔ حدیث " انا

---

[۱] ابن سبا نے علی کو خدا کہا تھا ۔ [۲] اس کے محض ارشاد نبی ہونے کا انکار ہے ورنہ یہ مضمون اس تاویل سے صحیح ہے کہ ایک حدیث غالبًا یوں مروی ہے کہ " النظر الی العالم عبادۃٌ " اور علیؓ یقینًا عالم تھے ۔

دارالحکمۃ وعلیٌّ بابُھا" (مشکوٰۃ) اسی قبیل کی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے کہ انا دارالحکمۃ وابوبکرٍ اَسَاسُھا وعمر حیطانُھا وعثمان سَقفُھا وعلیٌّ بابھا [مسند فردوس دیلمی۔ مظاہر حق ج ۴ ص ۶۱۷۔ درر الفرائد ص ۳۰۹] اس میں سے خلفاء ثلثہ کا ذکر حذف کرکے اُسی عہد سے تنہا حضرت علیؓ و حضورؐ کے ذکر سے شائع کی جانے لگی خیر اُس بحرانی زمانہ میں تو حضرت علیؓ کے انفرادی مناقب بیان کرنے کے لئے تینوں خلفاء کا ذکر حذف کر دینے میں مضائقہ نہ تھا مگر بعد میں اہلسنت کو یہ روش چھوڑ دینی لازم تھی اور یہ حدیث جیسی چاروں خلفاء کی باہمی نسبت اور اتحاد کو مشتمل تھی ویسی ہی پھر بیان کرنے لگنا چاہئے تھا اور وقتاً فوقتاً اس نکتہ کی طرف تنبیہ کرنا چاہئے تھا اور آج کے علماء کو بھی یہی چاہئے اور میں ان کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اس میں حضرت علیؓ کا درجہ ذرا بھی کم نہ ہوگا۔ اس صورت میں بھی حضرت علیؓ ویسے ہی دارِ حکمت کے باب[1] رہیں گے جیسے تنہا ذکر کرنے میں ہوتے۔

یہ بھی سن لیجئے کہ یہ حدیث بلفظِ "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" تو موضوع ہے ہی۔ کیونکہ اس کا اصل راوی ابوالصلت عبدالسلام بن صلاح ہروی ہے (دیکھو مظاہر حق ج ۴ ص ۶۱۷) مگر اس کا جو مفہوم ہے مجھے اس کے لحاظ سے بھی اس میں نعوذ باللہ حضورؐ کی کچھ تنقیص سی معلوم ہوتی ہے اوّل تو حضورؐ کے بیحد وسیع علم کے لئے صرف ایک دروازہ تجویز کرنا۔ یہ کہہ کر گویا یہ راوی حضورؐ کے علم ہی کو بیحد معمولی بتانا چاہتا ہے دوسرے حضورؐ کے علم کو حضرت علیؓ میں منحصر کر رہا ہے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے علوم کو جو علیؓ کے علم سے حسبِ اشارات نبوی و وثائق تاریخی بدرجہا بیشتر و بہتر و برتر تھے گھٹانے کا مکرِ خفی اس میں مہکتا اور جھلکتا ہے۔ تیسرے ذرا یہ بے عقلی

---

[1] سبائیہ نے اس لفظ کی عجب درگت بنائی ہے۔ یوں تو حضرت علی کو باب کہہ کر بزعم خود خلفاء ثلاثہ سے بڑھانا چاہتے ہیں مگر اس تیرہ سو برس میں نہ معلوم کتنے فُسّاق کو انھوں نے خود باب کا خطاب تقسیم کیا ہے۔ بارھویں امام کی فرضی پیدائش میں انھوں نے محمد بن نصیر کو یہی لقب دے کر خاموش کیا حال میں محمد علی ایرانی کو باب کہا اور علی کے برابر بنا دیا۔

ملاحظہ ہو کہ در کا تو ذکر کرتا ہے اور دیوار کا ذکر نداردد! در کا وجود اور تصور آخر ممکن کیسے ہے جب تک دیوار۔ بنیاد اور چھت نہ ہو؟ خود میرا ایک بند (حضرت علیؓ کی منقبت کے مسدس میں) ؛۔

ہیں خانۂ حکمت، نبیؐ۔ صدیقؓ بنا ہیں
فاروقؓ احاطہ بنے دیوار کی جا ہیں
چھت اُسکی ہیں عثمان کہ باشرم وحیا ہیں
اِک در ہیں اُسی گھر کے علیؓ۔ راہنما ہیں
دیوار نہ ہو۔ چھت نہ ہو۔ در ہو نہیں سکتا
بُنیاد نہ ہو اور ہو گھر۔ ہو نہیں سکتا

یہاں تو حضورؐ دیگر صحابہ کے مقابلہ میں ان چاروں کی افضلیت۔ اپنی ذات سے انکی مناسبت اور خود چاروں کی باہمی وحدت و یگانگت بتا رہے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا وجود اور تصور (بغیر بقیہ کے) ناممکن ہے ملا علی نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں بابہا کے تحت لکھا ہے بابٌ من ابوابہا یعنی سے

اصحابِ نبیؐ، نجم ہدایت کے اگر ہیں
بس یوں ہی سب اُس "خانۂ حکمت" کے بھی در ہیں

چوتھا سبب | یک رُخے صوفیہ نے۔ رحمہم اللہ۔ یہ دیکھکر کہ چند سلاسل روحانیت سیدنا علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ سیدنا علیؓ کو ولی نعمت۔ شاہ مرداں۔ شاہِ ولایت اور مشکل کشا وغیرہ کہدیا اس سے وہ صوفی بھی اور دوسرے اہلسنّت بھی پہلے تو افراطِ حُبّ علی میں پھر افراطِ حُبّ اہلبیتِ علیؓ میں مبتلا ہوئے پھر رفتہ رفتہ افضلیتِ علی و اہلبیتِ علی کے قائل ہوتے گئے پھر اُس کو مزید زور پہنچانے کے لئے اہلبیتِ نبی کی من مانی تاویلیں کی جانے لگیں۔

توضیح :۔ حضراتِ صوفیہ صافیہ رحمہم اللہ حساس اور احسان شناس طبیعت رکھتے ہیں۔ ہر عہد میں جس صوفی نے بھی کسی شیخ روحانی سے دولتِ باطنی پائی بس اُسی نے اپنے شیخ کو اپنا ولی نعمت بلکہ اونچے سے اونچے القاب سے یاد کیا پس اگر وہ سیدنا علیؓ جیسے شیخ المشائخ! امام الصوفیہ۔ صحابیٔ جلیل۔ خلیفۂ راشد رسول اللہ صلی اللہ علیہما وسلم کے لئے مذکورہ القاب غلبۂ حال میں کہہ بیٹھے تو یہ مذموم اور قابلِ نکیر ہرگز نہیں۔ البتہ قابلِ اصلاح یہ ضرور ہے کہ اگر غلبۂ حال کے وقت

ان کو اس طرف التفات نہ ہو سکا کہ ہماری فلاں عقیدتمندی شریعت و اجماعِ اُمت سے ہٹی ہوئی ہے اور ہماری باتوں سے عام مسلمانوں میں غلط قسم کے عقائد پھیلیں گے اور ہماری باتوں سے سبائیہ کی ضلالتوں کو تقویت پہنچ رہی ہے تو بعد میں ان کو بھی اور دوسروں کو بھی اسکی اصلاح اور اجماعِ اُمت کی طرف رجوع کرنا لازم تھا۔ ایسے ہی غلبۂ حال کی باتیں بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئیں کہ صوفیہ کا عقیدہ بن گیا ہے کہ

(الف) صحابہؓ میں دولتِ باطنی کے لحاظ سے جو بلند درجہ حضرت علیؓ کو حاصل ہے وہ نہ خلفائے ثلثہ کو حاصل ہے نہ صحابہؓ کو۔

(ب) حضورؐ کی دولتِ روحانیت کو صوفیہ تک پہنچانے میں صرف حضرت علیؓ ہی تنہا واسطہ ہیں۔ علیؓ بابہا کا حاصل یہی ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں واقعہ کے خلاف اور اس لئے سخت قابلِ اعتراض اور لائق اصلاح ہیں (۱) پہلی بات تو اس لئے غلط ہے کہ حضرات خلفاء ثلاثہ بالاتفاق حضرت علیؓ سے افضل ہیں کیونکہ ان تینوں کی خلافتیں علیٰ منہاج النبوۃ تھیں اور حضرت علیؓ کا درجہ ان سے کم ہے ان کی خلافت علیٰ منہاج الولایۃ[1] ہے اور ظاہر ہے کہ نبوت کا درجہ ولایت سے افضل ہے (۲) نیز تمام اُمت کا اجماع ہے کہ انبیا علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکرؓ ہر لحاظ سے تمام انسانوں سے افضل ہیں پھر عمرؓ کا پھر عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا انکے بعد حضرت علیؓ کا درجہ ہے احادیث سے یہی ثابت ہے اس عقیدہ میں قربِ حق۔ کرامت عند اللہ۔ دولتِ باطنی اور روحانیت۔ علم۔ زہد۔ شجاعت سبھی فضائل داخل ہیں جیسا شاہ عبد العزیزؒ صاحب محدث دہلوی نے کتاب السر الجلیل میں بہ تفصیل دکھایا ہے (۳) وفاتِ نبوی کے سانحہ پر جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ کی اور حضرت علیؓ کی باطنی تربیت فرمائی اس کا صحابہؓ نے اعتراف کیا ہے احادیث میں اسکے اشارات موجود ہیں۔ مشکوٰۃ ص ۱۶ پر بھی ہے اور ازالۃ الخفا میں بھی۔ صحابہ افسوس کرنے لگے کہ کاش ہم نے وساوس باطنی کا علاج حضورؐ سے پوچھ لیا ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے پوچھ لیا

---

[1] دیکھو مقدمہ تفسیر آیات خلافت از امام اہلسنت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ ص ۲۹

ہے اس کے بعد آپ نے ان کو تعلیم دی یہ تربیت باطن کا ایک نمونہ تھا (ازالۃ الخفا دوم ص ۵۵ طبع کراچی (۴) ازالۃ الخفا میں ہے کہ "قوم (صحابہؓ) دوام صحبت آنحضرتؐ کی معتاد (اور خوگر) تھی اور حالتِ اتّصال میں (اور اس سے مراد سر اور روح کا اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہونا ہے) صحبتِ آنحضرتؐ سے اکتساب کرتی تھی جب سعادتِ صحبت، بوجہ وفاتِ آنحضرتؐ ہاتھ سے گئی وہ حالت مفقود ہوئی تفرقہ پیدا آگیا۔ حدیث ابتلائے نفس، اس پر مستولی حضرت صدیقؓ آنحضرتؐ کے خلیفۂ مطلق و نائب برحق تھے۔ ظاہر و باطن میں طریقۂ ذکر تعلیم کیا..... اور یہ پہلا واقعہ احیاء طریقۂ صوفیائے کرام کا ہے جو خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ وارضاہ سے ظہور میں آیا اسکے بعد حضرت علیؓ نے حضرت صدیق سے صلوٰۃ استغفار اخذ کی اور اس پر اعتناء تام فرمایا" (ص ۵۰۵ مقصد دوم) غور سے پڑھیئے آخر کی دو سطریں جن پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے صاف بتا رہی ہیں کہ دولتِ باطنی میں سب سے بڑا درجہ حضرت صدیقؓ کا تھا۔ (۵) حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کی معیّت کا حاصل ہونا تو قرآن سے ثابت ہے جسمانی معیت تو غار میں اور قبر میں آپ کو حاصل ہوئی اسے دُنیا جانتی ہے اور روحانی معیت کا دعوا خود حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کے خلاف جہاد کی بحث میں تمام صحابہؓ کے مقابلہ میں کیا تھا اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا نہ اس میں شک کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ معیّتِ روحانی نہ حضرت علیؓ کو حاصل تھی نہ اور کسی صحابی کو۔ تو ابوبکرؓ میں روحانیت اور باطنی دولت کی زیادتی کا اندازہ اسی سے ہو جاتا ہے۔ (۶) یہ تو حضرات علی و ابوبکر کا موازنہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے حق میں حضورؐ کا ارشاد ہے "اگر میرے بعد کوئی نبی آتا تو وہ عمرؓ ہوتے"۔ نبوت کی یہ صلاحیت حضرت علیؓ میں نہ تھی [غلط فہمی نہ ہو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو ایک موقع پر حضرت ہارونؑ کے اور اپنی ذات مبارک کو حضرت موسیٰؑ کے مثل کہا تو وہ ایک غزوہ میں نساء و ضعفا کی نگرانی کی حیثیت سے کہا تھا اس میں حضرت علیؓ کے اندر صلاحیتِ نبوت بتانا مقصود نہیں] (۷) حضرت عثمانؓ کا درجہ خود صحابہؓ کے نزدیک بھی اور تمام اُمت کے نزدیک بھی سیدنا علیؓ سے

افضل ہے خود آنحضرت صلعم نے بھی جو ان کو یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں بیاہیں پھر یہ بھی فرمایا کہ اور بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان رض سے بیاہتا تو اس سے ان کی افضلیت حضرت علی رض پر معلوم ہوتی ہے۔ (۸) حضرت علی رض کے بارہ میں محققین صوفیہ کا یہ عقیدہ شاہ ولی اللہ رح کے والد نے لکھ کر گویا تمام علما و صوفیہ کی ایک عام غلطی کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ "محققین صوفیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت علی رض جو فیوض روحانی آنحضرت صلعم سے حاصل کرتے تھے وہی فیوض انھوں نے آنحضرت صلعم کے بعد اپنے سے قبل کے تینوں خلفا سے بھی حاصل کیے"۔ (ارشاد رحیمیہ ص ۶)

یہ وہی بات ہے جسے آپ ابھی اوپر ۲ میں پڑھ آئے ہیں۔ یہ کسی ایک سلسلہ کے صوفیہ کا عقیدہ نہیں بلکہ ہر سلسلہ کے محققین صوفیہ کا ہے اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت علی رض نے صلوٰۃ استغفار اور طریقۂ ذکر حضرت ابوبکر رض سے اخذ کیا تھا (دیکھو اوپر نمبر ۳ و ۴)۔

(۹) خلافتِ عثمانی رض کے ختم تک بیعتِ روحانی، بیعتِ خلافت سے الگ نہیں ہوتی تھی۔ بیعتِ خلافت ہی بیعتِ روحانی کو بھی شامل ہوتی تھی۔ حضرت علی رض نے اور تمام صحابہ نے جو خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر یکے بعد دیگرے بیعت کی وہ بمنزلہ اس کے بھی تھی کہ ایک شیخ مرشد کے وصال کے بعد اس کے مریدین میں جن کا سلوک ابھی ناتمام ہے وہ اپنے کسی کامل اور مکمل پیر بھائی کی تربیت و اصلاح سے اپنا سلوک تمام کریں۔ حضور صلعم نے ایک استفسار کے جواب میں ایک بار یہ ارشاد فرما کر کہ "وَاِن تُؤَمِّرُوا عَلِیًّا وَلَا اُرَاکُم فَاعِلِیہ" اس طرف صراحت کے درجہ کا اشارہ فرما دیا تھا کہ علی، ابوبکر و عمر کے برابر نہیں ہیں (رضی اللہ عنہم)

(۱۰) حضور صلعم کے بعد خلفائے راشدین جتنی مدت اور جتنے واسطوں کے بعد جانشینی رسول کے منصبِ عالی پر فائز ہوئے سمجھ لینا چاہئے کہ اُن میں خلافتِ رسول کی استعداد و استحقاق

کی اتنی ہی کمی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ بلا فصل حضورؐ کے خلیفہ اور امامتِ مسلمین کے معاملہ میں حضورؐ کے وصی تھے معلوم ہوا کہ ان میں زرا بھی خامی اور کمی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ حضورؐ کے فوراً بعد خلیفہ نہیں ہو سکے ابوبکرؓ کے بعد ہوئے معلوم ہوا ان میں خلافت اور جانشینئ رسول کے لئے اتنی خامی تھی کہ ابوبکرؓ سے بیعت کریں اور سوا دو سال ان کی تربیت میں گزاریں تب اس قابل ہوں حضرت عثمانؓ فوراً بعد حضور کے جانشینِ رسول نہیں ہو سکتے تھے۔ ان میں اتنی خامی تھی کہ ابوبکرؓ سے بیعت کرکے سوا دو برس ان کی تربیت میں گزاریں پھر حضرت عمرؓ سے بیعت کرکے دس برس گزاریں تب جانشینئ رسول کے قابل ہوں اسی طرح حضرت علی بھی حضورؐ کے فوراً بعد حضورؐ کے جانشین نہیں بن سکتے تھے ان میں اتنی خامی تھی کہ ابوبکر کی پھر عمر کی پھر عثمان کی بیعت کرکے ان کی تربیتوں میں رہیں تب اس کے قابل ہوں۔

اب رہی دوسری بات "کہ حضرت علیؓ تنہا واسطہ تھے حضورؐ سے اُمت تک نقلِ فیوض میں" تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ دیگر صحابہؓ سے بھی فیوض باطنی کے سلسلے چلے ہیں آج اگر عام مسلمانوں کو یا صوفیہ کو اُن سلاسل کا علم نہیں تو اس سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ دُنیا میں دوسرے صحابہؓ کے فیضِ باطن کے سلسلے دُنیا میں نہیں چلے۔ اس سلسلہ میں یہ چند معلومات ناظرین کے لئے انشاءاللہ بہت نافع ہوں گے:۔

(۱) شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔ "...... مثلاً ہم عرض کرتے ہیں کہ اہل شام، اہل مصر حضرت علی مرتضیٰ سے روابط نہیں رکھتے۔ باوجود اس کے زُہدیات اور علم سلوک، اُن میں بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ ان علوم کی تبلیغ، حضرت علیؓ مرتضیٰ سے پہلے کسی اور نے کی ہے فتأمّل" (ازالۃ الخفا دوم ص ۱۹)

(۲) حضرت ابوبکرؓ سے حضرات صحابہؓ نے بیعت کی اور ان میں سے حضرات سلمانؓ فارسی اور جبیرؓ اور انسؓ سے سلسلہ بھی چلا مگر حضرت علیؓ سے بیعت شدہ کسی صحابیؓ کا سلسلہ نہیں چلا۔

بہ حوالہ پھر دیکھا لیں تو ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۰ پر ہے کہ حضرت جبیرؓ نے حضرت صدیقؓ سے علم انساب حاصل کیا تھا ہو سکا ع

شاہ ولی اللہ صاحب نے جو محدث بھی ہیں اور صوفی بھی اور چشتیہ سے بھی نسبت باطنی حاصل کی ہے لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے اکثر سلاسل کا حضرت حسن بصری تابعی کے وساطت سے چلنا بتایا جاتا ہے مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ وہ تحقیق کی کسوٹی پر مشکوک و مشتبہ معلوم ہوتا ہے (دیکھو رسالہ قرۃ العینین)

(۳) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ~~حسب ذیل سلاسل چلے (الف)~~ یہ سلسلہ چلا سیدنا ابو بکرؓ۔ سلمان فارسی۔ قاسمؓ بن محمد بن ابی بکر۔ جعفرؓ صادق۔ علیؓ رضا۔ معروف کرخی الخ۔ (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۳۵) (۴) [redacted] سیدنا ابو بکرؓ۔ سیدنا انسؓ۔ حسن بصری۔ حبیب عجمی۔ داؤد طائی۔ معروف کرخی الخ (الانتباہ ص ۱۲)

(۵) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے حسب ذیل سلسلہ چلا: سیدنا عمرؓ۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود۔ علقمہ بن قیس۔ ابراہیم نخعی۔ سفیان ثوری۔ ابراہیم بن ادہم بلخی الخ (ازالۃ الخفا دوم ص ۳۷۴)

حاصل کلام یہ کہ چونکہ صوفیۂ ہند کے چند اکابر نے عجم کے لالہ زاروں میں پرورش پائی ہے اور ایران ہی کی سرزمین سے گذرتے ہوئے وہ ہندوستان آئے تو ناممکن بلکہ محال تھا کہ وہ اس ملک کی آب و ہوا سے غیر شعوری طور پر متاثر نہ ہوئے ہوں اس آب و ہوا میں جہاں فرضی شہر نامہ[1] کی طرح کے بیشمار بے سروپا افسانے مشہور ہوئے وہیں تفضیلِ علی و آلِ علی کے متعلق بھی نہ معلوم کتنے اقوال گھڑے اور شائع کئے گئے۔ نیز ایران کے بعض سبائی ملوک نے حکماً بہت سے سبائی عقائد پھیلائے جو اشاعتِ عام پا کر ملک کی آب و ہوا میں رچ چکے اور مسلمانوں کے عقائدِ حقہ میں مخلوط و یکذات ہو چکے تھے اس طرح یہ یک رُخے صوفیہ اور عافیت کوش علما اس مسموم فضا سے متاثر ہوئے پھر ان کی وجہ سے ان کے مریدین میں تفضیلِ علی و آلِ علی بڑھی۔ ان حالات میں ایک طرف تو اہلبیت کا وسیع لفظ محدود ہونے لگا اور دوسری طرف صوفیہ کے شجروں میں تنہا حضرت علیؓ واسطۂ فیوضِ نبوی بن کر مشہور ہوئے (علمی نکتہ) بظاہر مشہور سلاسل کے

---

[1] دیکھو سیر الصحابہ ج ششم ص ۲۴۹

روحانی شجروں میں حضرت علیؓ کے اور حضورؐ کے ناموں کے درمیان حضرت عثمان کا پھر حضرت عمر کا پھر حضرت ابوبکرؓ کا نام بھی ہونا چاہیے تھا مگر اکثر سلاسل میں جو حضرت علیؓ کے بعد حضورؐ کا نام نامی بیان کیا گیا وہ اصل میں تو سند کے عالی بنانے کے لئے تھا کہ درمیان کے ایسے وسائط کم کر دیئے تھے جن کا کم کیا جانا ایک تاویل سے صحیح ہے کہ حضرت علیؓ نے آخر خود بھی تو حضورؐ سے بھی بہت کچھ فیوض باطنی حاصل کئے تھے مگر بے خبروں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا اور یہ مشہور کیا کہ فیوض نبوی کو اُمت تک منتقل کرنے میں تنہا صحابی حضرت علیؓ واسطہ بنے اس خرابی کو دیکھتے ہوئے میری قطعی رائے ہے کہ روحانی شجروں میں حضرت علیؓ کے بعد فوراً حضورؐ کا نام نامی بیان کرنا اور اپنی سند روحانی کو عالی بنانا صرف ایسے لوگوں کے لئے روا ہے جو علم یقینی سے حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حضرت علیؓ کا مرشد اور مربی روحانی کہتے اور لکھتے ہوں جانتے اور مانتے ہوں سمجھتے اور سمجھاتے ہوں لیکن چونکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اس لئے ہر شجرہ میں حضرت علیؓ کے بعد خلفاء ثلاثہ کے اسماء گرامی بھی ضرور لکھے اور پڑھے جانے چاہئیں جیسا میں نے اپنے شجرہ میں شعر لکھا ہے ؎

شہ فضیل و عبد واحد شہ حسن حضرت علیؓ
شاہ عثمانؓ و عمرؓ۔ بوبکرؓ تاج العارفین

نیز اگر حضرت حسن بصری کا استفادہ حضرت علیؓ سے علمی اور تحقیقی طور پر مشتبہ سمجھیں تو حضرت حسن بصری کے بعد دو نام لیں سیدنا انسؓ کا بھی اور سیدنا علیؓ کا بھی مگر غضب تو یہ ہے کہ لوگ نہ صرف اس کا انکار کرتے اور اسے عجیب اور غلط جانتے ہیں بلکہ خلفاء ثلاثہ کو مقامات سلوک میں نہ حضرت علیؓ کے برابر جانتے ہیں نہ خلفاء ثلاثہ یا دیگر صحابہؓ کو واسطہ فیوض نبوی مانتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ خیالات حقیقت سے جہل حضرت علیؓ کی بیجا عصبیت اور خلفاء ثلاثہ کی سخت حق تلفی کے ہیں۔

پانچواں سبب | بعض وقت بعض ذریت رسولؐ نے دوسرے اہلبیت رسولؐ کی منقبت

کو بیان ہوتے سُنا تو اس کا بُرا بھی مانا اور نہیں چاہا کہ ان کی بھی منقبتیں بیان ہوں اور لوگ کسی دوسری شخصیت کے ساتھ عقیدتمندی وابستہ کریں۔ اُمّت کو چونکہ حضورؐ کی محبت کے باعث، ذرّیتِ رسولؐ کی خاطر ہمیشہ ہی بہت عزیز رہی اس لئے اس غلط احتمال پر کہ کہیں اُن کی ناراضی سے حضورؐ کی روحِ مبارک بھی ہم سے ناراض ہو جائے اُمّت نے دوسرے اہلبیت کے مناقب کا ذکر کم یا بند ہی کر دیا۔

توضیح:۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عُروہ بن زبیر سے بیان کیا کہ:

"جب رسول اللہؐ مدینہ تشریف لائے تو آپ کی صاحبزادی زینبؓ مکہ سے (بارادۂ ہجرت) کنانہ یا ابن کنانہ کے ساتھ مدینہ روانہ ہونے لگیں اور لوگ انھیں گرفتار کرنے نکلے۔ ہبّار بن اسود نے ان کو جا لیا اور ان کے اونٹ پر نیزہ مارتا رہا یہاں تک کہ زینب گر پڑیں اور حمل ساقط ہو کر خون جاری ہو گیا تو وہ سفر سے معذور ہو گئیں ان کے بارہ میں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں جھگڑا ہونے لگا۔ بنو اُمیہ کہتے تھے کہ ہم ان کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ وہ ہمارے ابوالعاص کے نکاح میں ہیں اور وہ ہند بنت عتبہ (زوجۂ ابوسفیان اموی) کے ساتھ رہتی بھی تھیں۔ مدینہ میں حضورؐ نے زیدؓ بن حارثہ سے فرمایا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مکہ جا کر زینبؓ کو لے آؤ۔ انھوں نے کہا جی ہاں ہو کیوں نہیں سکتا۔ تو فرمایا لو یہ انگوٹھی۔ اسے لے جا کر زینب کو دکھانا (وہ یہ میری نشانی دیکھ کر سمجھ لیں گی کہ بلایا ہے) غرض زید روانہ ہو کر خفیہ مکہ پہنچے اتفاق سے ابوالعاصؓ ہی کے چرواہے سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے کہا زینب بنت محمدؐ کی۔ زید بولے میں ایک چیز تمھیں دوں اسے لے جا کر زینب کو دینا مگر

لہ اس واقعہ میں سیدہ زینب زخمی ہو کر پھر ابوسفیان اموی کے گھر ہند کے پاس جا کر رہی ہوں گی اور ان کی تیمارداری وہاں کی گئی ہوگی۔ اس نیکی کا اثر بھی ان دونوں کے اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔

لہ ابن محمد مشہور تھے صاجزادیوں کے محرم تھے۔ عہ کنانہ بن الربیع دیور تھے سیدہ زینب کے ۱۲

کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا اس نے کہا اچھا۔ زید نے وہ انگوٹھی اُسے دے دی وہ لے کر چلا۔ بکریاں تو باڑہ میں ہانک دیں اور انگوٹھی چپکے سے زینب کو دی انھوں نے پہچان کر پوچھا یہ تجھے کس نے دی؟ اس نے کہا ایک شخص نے۔ پوچھا تو نے اسے کہاں چھوڑا؟ اس نے کہا فلاں مقام پر۔ وہ مطمئن ہو گئیں جب رات ہوئی تو وہ گھر سے نکل کر زید کے پاس پہنچیں۔ زید نے ان کو اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھا لیا (اور چلے) یہاں تک کہ زینب مدینہ پہنچ گئیں (سیدہ عائشہ رض نے کہا کہ) حضورؐ برابر فرمایا کرتے تھے "زینب میری" سب سے اچھی بیٹی" ہے کہ میری وجہ سے اُسے تکلیف پہنچی"۔ اس حدیث کو عُروہ نے لوگوں میں بیان کیا تو علی بن حسین نے بھی کسی سے یہ حدیث سُنی۔ تو آکر عروہ سے پوچھا "یہ کیا حدیث ہیں سُنتا ہوں جو تم لوگوں میں بیان کرتے پھرتے ہو؟ کیا تم میری ماں (مراد دادی) سیدہ فاطمہ رض کی تحقیر کرنا چاہتے ہو؟ عُروہ نے عرض کیا واللہ اگر مجھے مشرق سے مغرب تک کی سلطنت بھی مل جائے تب بھی مجھے یہ پسند نہیں کہ میں سیدہ فاطمہ رض کی تنقیص کروں!۔ اچھا اب آیندہ میں یہ حدیث کسی سے بیان ہی نہیں کروں گا" (جمع الفوائد دوم مناقب بنات الرسولؐ)

یہ روایت۔ یا مثلاً سیدنا حسین رض کا بچپن میں حضرت عمر رض کو ٹوک دینا کہ "میرے نانا کے منبر سے اُترو"۔ یا اسی قسم کے بعض اور کلمات (جو احادیث یا تاریخ میں ہوں) تو دراصل ان فرزندانِ رسولؐ کا ایک ناز تھا اور ان حضرات کو یہ کہہ دینا زیب بھی دیتا تھا مگر ان کے ان ناز بھرے کلمات سے دوسرے اہلبیت کے یا صحابہ رض کے مراتبِ افضلیت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اُمّت کو ان کلمات سے یہ اثر نہ لینا چاہئے تھا کہ وہم میں پڑ کر حدیث نبوی کی اشاعت اور دوسرے اہلبیت کے مناقب کا ذکر ہی روک دیں۔ یہ وہم ہی پھر ہے کہ سیدہ زینب رض کی یا کسی دوسرے اہلبیتِ نبی کی منقبتِ ماثورہ بیان کرنے سے سیدہ فاطمہ رض کی ساری فضیلت ماند پڑ جائے گی۔ لیکن پھر بھی کیا عجیب لطیفہ ہے کہ لوگوں نے ان ناز بھرے کلمات ہی کے مطابق اپنا عقیدہ بھی بنا لیا اور آپ دیکھیں گے کہ جب یہ لوگ ذرّیتِ طاہرہ کے مقابلہ میں کبار صحابہ رض کا یا سیدہ فاطمہ کے ساتھ

اُمہات المومنین کا ذکر کرتے ہیں تو اندازِ کلام ایسا اختیار کرتے ہیں گویا ان کے عقیدہ میں بھی اوّل الذکر تو آقا ہیں اور موخر الذکر غلام۔

چھٹا سبب بعض وقت یک رُخے صوفیہ کی طرح بعض علما راہلسنت نے بھی بے خیالی میں یا یک رُخی عقیدہ تمنذی میں لفظ اہلبیت کو صرف ذواتِ اربعہ کے لئے استعمال کیا اور ان کو التفات نہ ہو سکا کہ ہماری اس بے احتیاطی سے سبائیہ کی ہمنوائی اور تقویت ہو رہی ہے۔ خود ان علما کو۔ ممکن ہے کہ ان کے اخلاص اور محبّت رسول میں صدق کی برکت سے حق تعالیٰ کرم خصوصی فرما کر ان کی یہ لغزش معاف فرما دے مگر دُنیوی غلط نتیجہ تو یہ نکل کر رہا کہ ان علماء سے حُسنِ ظن رکھنے والوں نے اُمّت کے اجماعی عقیدے کو تو طاقِ نسیاں پر رکھا اور لگے ان کی اندھی تقلید کرنے اور اُنھیں کے ایسے بے احتیاط کلمات کو اپنا عقیدہ بنانے اور پھیلانے!۔ اور حق یہ ہے کہ ایسے علما نے اُمت کو یہ بہت بُری راہ دکھائی۔

توضیح:۔ جب اہلبیت کے معانی سات آٹھ ہیں تو جہاں حدیث میں اہلبیتِ نبی کا لفظ بلا تعیین آیا ہے وہاں علما کو دیانۃً لازم یہ تھا کہ اس کا صحیح محمل متعین کرنے کے لئے قوی قرینہ کا اعتبار کرتے یا یہ احتمال رکھ کر اس کی شرح کرتے کہ ممکن ہے سبھی معانی مراد ہوں مگر آپ ذیل کی چند مثالوں میں دیکھیں گے کہ بعض علما راہلسنّت نے حصر اور یقین کے ساتھ اس کے صرف ایک ہی معنی اور وہ بھی مجازی مراد لئے ہیں مگر اس کے حقیقی اور اولی معنے جو قرآن میں آئے ہیں اسکی طرف اُن کا ذہن کسی طرح متوجہ نہیں ہو سکا۔

مثال اوّل:۔ آیت تطہیر کی شان نزول آپ دیکھ چکے ہیں کہ قوی ترین قرینہ بتاتا ہے کہ اُس سے مراد ازواجِ رسول اور صرف ازواجِ رسولؐ ہی ہیں مگر علاّمہ ابن جریر نے اس کی تفسیر میں پہلے تو ۱۵ یا ۱۶ روایات ایسی لکھی ہیں جن سے اس آیت کا مدلول یا شان نزول ذواتِ اربع معلوم ہوتے ہیں اس کے بعد صرف دو تین روایات ازواج کے حق میں ہیں۔

مثال دوم:- مشہور و متداول کتب حدیث میں باب مناقب ازواج النبی کا باب الگ باندھا گیا ہے اور اولادِ رسولؐ کے لئے "باب مناقب اہلبیت النبیؐ" الگ باندھا گیا ہے۔ تاکہ ازواج النبی کو اہلبیت سے خارج رکھیں۔ ممکن ہے یہ ان کے وطن کی آب و ہوائے مسموم کا اثر ہو۔

مثال سوم:- جامع صغیر سیوطیؒ کی ایک حدیث ہے "اَدِّبُوا اَولادَکُم علی ثلاثِ خصالٍ: حُبِّ نبیِّکم وحُبِّ اَھلِبَیتِہٖ و قراءۃ القرآن الخ ترجمہ- مسلمانو! اپنی اولاد کو تین باتیں ضرور سکھاؤ۔ ایک اپنے نبی کی محبت۔ دوسرے نبی کے اہلبیت کی محبت۔ تیسرے قرآن کا پڑھنا الخ علامہ مناوی مصری نے جامع صغیر کی دو شرحیں لکھی ہیں دونوں ہی میں اس کی شرح ان الفاظ میں کی ہے"... وحبّ اہلبیتہ اے علی و فاطمہ وابنیہما۔ او مومنی بنی ہاشم والمطلب یعنی اہلبیت نبی سے مراد حضرات ذواتِ اربع ہیں یا پھر بنو ہاشم کے اور بنو مطلب کے مسلمان۔ دیکھیے ان علامہ کو اہلبیت نبی کے مطلب میں ازواج رسولؐ یاد ہی نہیں آئیں۔ آخر یہ کس رجحان کا پتہ دیتا ہے؟ اسے نسیان کہا جائے گا یا عصیان؟ لطف کی بات یہ ہے کہ یہی علامہ ایک شرح "تیسیر" کے مقدمہ میں وآلہ کی شرح میں لکھتے ہیں: آلِ رسولؐ سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہو یا پھر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مسلمان یا علماء و صلحاءِ اُمت" یعنی قیامت تک کے علماء اور ہاشمی و مطلبی مسلمان سب اہلبیت ہو سکتے ہیں مگر ازواجِ نبی اہلبیت نہیں ہو سکتیں۔ غور کیجئے جب تک یہ شرحیں دنیا میں رہیں گی کیا اس وقت تک علماء و عوام کا ذہن اس طرف بھی کسی طرح جا سکتا ہے کہ اہلبیت رسول سے ازواجِ رسولؐ مراد ہیں؟

مثال چہارم:- (الف) حدیث سفینۂ نوح عن ابن الزبیر مرفوعاً: "حضورؐ نے فرمایا میرے اہلبیت کی مثال حضرت نوحؑ کی کشتی جیسی ہے کہ اس پر جو سوار ہوا بس وہی بچ سکا اور جس نے اسے چھوڑا وہ ڈوب کر رہا۔ میرے اہلبیت گویا بنی اسرائیل کا حِطّہ والا دروازہ ہیں کہ جو

---

(۱) ابن تیمیہؒ نے اس کے متعلق کہا ہے "اما حدیث سفینۂ نوح فغیر صحیح" (المنتقی ص ۴۷۱)

اس میں داخل ہوا بس اُسی کی بخشائش ہوگی (جمع الفوائد بحوالہ اوسط طبرانی) (ب) حدیث ثقلین مسلم میں زید بن ارقم سے مرفوعًا مروی ہے کہ "حضورؐ نے فرمایا لوگو سنو! میں بھی ایک بشر ہی ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا فرشتہ (روح قبض کرنے) میرے پاس آئے اور میں اُسے قبول کروں۔ تو میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک تو اللہ کی کتاب قرآن جس میں رہنمائی اور روشنی ہے پس کتاب اللہ کو مضبوط پکڑو۔ غرض آپ نے کتاب اللہ کی ترغیب دلائی اس کے بعد فرمایا دوسری چیز میرے اہلبیت ہیں۔ دیکھو میں تمھیں اپنے اہلبیت کے متعلق اللہ کا واسطہ یاد دلاتا ہوں" تو حصین راوی نے پوچھا اے زید! حضورؐ کے اہلبیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہلبیت نہیں ہیں؟ زید نے کہا ہاں۔ آپ کی ازواج بھی آپ کے اہلبیت ہیں مگر اہلبیت وہ لوگ ہیں جن پر آپ کے بعد بھی زکات حرام ہے۔ انھوں نے کہا وہ کون؟ کہا اولادِ علی۔ اولادِ جعفر۔ اولادِ عقیل۔ اولادِ عباس۔ حصین نے پھر پوچھا کیا ان سب پر زکوٰۃ حرام ہے کہا ہاں" [دوسرے طریق میں یوں ہے کہ پھر ہم نے زید سے پوچھا حضورؐ کے اہلبیت کون ہیں کیا آپ کی بیبیاں؟ کہا نہیں۔ اللہ کی قسم! عورت تو مرد کے ساتھ ایک عرصہ تک رہتی ہے پھر وہ اُسے طلاق دے دیتا ہے تو وہ اپنے باپ اور خاندان والوں کے پاس چلی جاتی ہے]

توضیح:- (۱) علامہ عبدالحق حقانی نے کتاب نامی میں لکھا ہے کہ حدیث ثقلین کے متن میں کلام کیا گیا ہے صحیح حدیث یوں ہے "ترکتُ فیکم امرین۔ لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتابُ اللہ و سُنّتہ رسولہ" (۲) ترمذی میں انھیں زید بن ارقم سے یوں مروی ہے "انی تارکٌ فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلّوا" الخ فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہو گے تو میرے بعد بھٹک نہ سکو گے ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑا ہے ایک تو اللہ کی کتاب یہ اللہ کی ایک رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہے دوسری چیز میری عترت اہلبیت ہیں یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ یہ دونوں مجھ سے حوض کوثر پر آکر ملیں گے تو ذرا خیال

موطا امام مالک میں بھی صرف کتاب اللہ و سنتہ رسولہ ہے اہلبیتی نہیں ہے (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالسنۃ)

رکھو کہ تم ان دونوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہو[1]۔ انتہیٰ۔ (۳) نافی اور ترمذی کے الفاظ سے چند باتیں معلوم ہوئیں سب سے پہلی یہ کہ حدیثِ ثقلین کے متن میں بہت اختلاف ہے اور چونکہ نوعیت اختلاف اتفاق سے وہ ہے جو سبائیہ کا مشہور دامِ تحریف ہے یعنی ذواتِ اربع کی منقبت اس لئے ایک عالم کو لازم ہے کہ وہ بہت تیقظ سے اس پر غور کرے اور اس کا محمل متعین کرنے میں سبائیہ کی موافقت سے بہت بچے دوسری یہ کہ دوسری چیز کی تعبیر ایک جگہ اہلبیت ایک جگہ اہلبیتی عترتی اور ایک جگہ سنتہ رسولہ سے فرمائی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا اصل مقصود، اس سب کا قدرِ مشترک سنت رسول ہی ہے یعنی اہلبیت اور عترت کے الفاظ سے مراد وہی لوگ ہیں جن میں سنتِ رسول کا علم و عمل زیادہ نمایاں ہو گویا وہ مفہوم ادا فرما رہے ہیں جس کو دوسری جگہ یوں فرمایا ہے آلِ محمدؐ کل تقیّ۔ تیسری یہ کہ حضورؐ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اب تک تو میں خود تم میں رہ کر خدا کے کلام اور احکام کی شرح اپنے قول اور فعل سے دکھاتا اور سکھاتا رہا اب شاید جلد ہی میں چلا جاؤں گا تو میری جگہ پر قرآن کی شرح کرنے کے لئے میرے اہلبیت و عترت برابر قیامت تک موجود رہیں گے اس لئے کہ میرا دین مؤبّد ہے نیز یہ دونوں ایک دوسرے کے مطابق ہی رہیں گے اور حوضِ کوثر پر آکر مجھ سے ملیں گے۔" اگر یہ مطلب صحیح ہو تو پھر تکلف برطرف! میں تمام محتاط و بالغ نظر اربابِ علم و فتوا اور خدا ترس اصحابِ دین و تقویٰ سے ذرا دریافت کیا چاہتا ہوں کہ

"آنحضرتؐ کے بعد قرآن کے احکام ظاہر و باطن کی معتدبہ تعلیم اور تفسیر فرائض تجوید۔ فقہ۔ حدیث کی شرح اُمت کو

(الف) آیا سیدہ فاطمہ زہراؓ سے ملی ہے یا سیداتِ عائشہ و ام سلمہ سے؟ رضی اللہ عنہن

(ب) آیا سیدنا علیؓ سے ملی ہے یا سیدنا ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ ابن مسعود۔ زید بن ثابت۔ ابی بن کعب سے؟ رضی اللہ عنہم۔

(ج) آیا سیدنا حسنینؓ سے ملی ہے یا عبداللہ بن عمر۔ ابن عباس سے؟ رضی اللہ عنہم۔

[1] اس کے راوی سلیمانؔ اور حبیبؔ کے متعلق تدلیس کی فنی تنقید کو میں قصداً حذف کرتا ہوں۔

(د) آیا حضرات زین العابدین و باقر و صادق سے ملی ہے یا قاسم بن محمد۔ ابو حنیفہ مالک۔ شافعی۔ عاصم۔ کسائی سے؟ رحمہم اللہ"

اس نہج پر غور کرنے سے موروثی جذبات عقیدت کو ذرا دھکا تو ضرور لگتا ہے مگر بات پھر لگی لپٹی ڈھکی چھپی نہیں رہ جاتی۔ علم اور عقل پر بے پناہ جھوٹ کے جو گہرے پردے صدیوں سے پڑے چلے آتے ہیں وہ ایمان کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ ان استفسارات کا جواب میرے نزدیک سوا اس کے کچھ نہیں کہ قرآن اور سنت کی جیسی شرح و تبیین امت کو رسول کے بعد آج تک ہر طبقہ مذکورہ کے موخر الذکر اہلبیت رسول اور عترت رسولؐ سے ملتی رہی ہے ویسی ہر طبقہ کے اول الذکر اہلبیت و عترت سے نہیں ملی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ عصبیت اور عقیدت لاکھ برہم ہوں مگر اس کو اس سے انکار ممکن نہیں کہ علم فرائض میں حضرت زید بن ثابت کو اور علم تجوید میں حضرت اُبی بن کعب کو علم حلال و حرام میں حضرت معاذ کو سند فضیلت اور شہادتِ امتیاز خود حضورؐ نے عطا فرمائی ہے اور سر جلیل میں ہے کہ زکات کے مسائل حضرت علیؓ کے پاس ناتمام تھے امت کو اس کے پورے اور صحیح مسائل حضرت ابوبکرؓ سے ملے (دیکھو سِر جلیل شاہ عبد العزیزؒ) علم تفسیر امت کو ابن عباسؓ سے ملا۔ سیدہ عائشہؓ کے علم دین کی وسعت کا اعتراف صحابہ و تابعین نے کیا ہے۔ ان معنوں میں موخر الذکر تو اہلبیت رسول و عترت رسول ہیں اول الذکر اہلبیت رسول و عترت رسول نہیں ہیں پس اگر حضورؐ کی مراد حدیث ثقلین میں اہلبیت کے ذکر سے یہ رہی ہے (اور میرا یقین ہے کہ یہی تھی) کہ "میری عترت اور میرے اہلبیت وہی ہیں جو قرآن اور سنت کی تعلیم امت کو دیں تب تو ایمان و دیانت مجبور ہیں کہ وہ اہلبیت رسول سمجھا کریں صحابہ میں حضرات ابوبکر۔ عمر۔ ابن عمر۔ ابن مسعود۔ ابن عباس۔ زید بن ثابت۔ اُبی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ سیدات عائشہ۔ ام سلمہ کو اور تابعین و تبع تابعین میں قاسم بن محمد۔ سالم۔ نافع۔ ابن مبارک۔ ابو حنیفہ۔ مالک۔ ثوری

شافعی - ابن حنبل - عاصم - حمزہ - کسائی کو۔ نہ کہ فاطمہ و علی و حسنین و اولادِ حسنین کو رضی اللہ عنہم۔ حدیث ثقلین سے ان معنوں میں تو صرف ذواتِ اربعہ کسی طرح مراد ہو نہیں سکتے۔ ہاں اگر کسی کے نزدیک اس حدیث سے حضورؐ کی مراد یہ ہو کہ "چاہے امت کے دوسرے لوگ احکام قرآن کی معتبر شرح امت کو دیں پھر بھی امت کو چاہیے کہ وہ بس ذواتِ اربعہ کو میری نسبت و تعلق کی وجہ سے تبرک بنائے رکھیں۔ و بارِ فاطمہ کی حرارت کو ان سے مجھائیں تو قصور معاف تو یہ اکابر پرستی اور نسل پرستی کے مرادف ہے جو یہودیت یا ایرانی مجوسیت کو تو البتہ زیب دیتی ہے مگر اسلام کو اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ (۴) صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کی اصل روایت زید بن ارقم سے صرف لفظ اذکرکم اللہ فی اہل بیتی ہی تک صحیح ہے اس کے بعد جو کچھ متن ہے وہ ... ایجادِ بندہ ہی ہے کسی درمیانی راوی کا اضافہ ہے جسے امام مسلم نہیں محسوس کر سکے۔ کیونکہ حصین کا یہ سوال[1] کہ حضورؐ کے اہلبیت کون ہیں؟ پھر ابن ارقم[2] کا یہ جواب کہ "ہاں ازواجِ نبی اہلبیت تھیں مگر" پھر اہلبیت[3] کی تعریف ان الفاظ میں کرنا کہ جن پر زکات حرام ہے۔ پھر حصین کا یہ سوال کرنا کیوں صاحب زکات کن کن پر حرام ہے؟ اور ابن ارقم صحابی کا یہ جواب کہ وہ صرف چار خاندانوں کے نام بتائیں (حالانکہ زکات پانچ خاندانوں پر حرام ہے دیکھو کتب فقہ) یہ چیزیں خود شبہہ پیدا کرتی ہیں۔ میرے نزدیک نہ صحابی اتنا کم علم ہو سکتا ہے اور نہ تابعی! اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی - امامہ امویہ یقیناً اہلبیتِ رسول ہیں مگر آخر قرآن کی کس آیت سے حدیث کی کس روایت سے فقہ کے کس مذہب سے ان حضرات پر زکات حرام ہے؟ ہرگز حرام نہیں ہے پھر یہ تعریف کیسی؟ یہ تعریف تو سید کی ہے نہ کہ اہلبیت کی (۵) حدیث ثقلین کے آخر میں "اذکرکم اللہ فی اہل بیتی" تین بار فرمایا۔ یہاں مجھے دو احتمال ہوتے ہیں یا تو حضورؐ نے اس حدیث طویل میں خود ہی دو الگ الگ باتیں جمع فرما دیں ایک یہ کہ اپنے بعد امت کو قرآن اور سنت کی طرف ترغیب اور دوسری یہ کہ اپنے بعد اپنی ازواج کی خبرگیری کی ترغیب۔ یا

پھر یہ کہ کسی راوی نے نسیان اور خلط کے باعث ان دونوں الگ الگ باتوں کو ایک ہی سلسلہ میں بیان کر دیا تو ی قرینہ ہے کہ اس حدیث میں اہلبیت سے مراد حضورؐ کی ازواج ہیں حضور نے جب اپنی موت کو یاد کیا تو اُمّت کو ایک تو اسکی ترغیب دی کہ وہ کتاب اللہ اور سنۃ رسول اللہ کا بھی حضورؐ کے بعد بہت خیال رکھیں اور دوسرے اسکی بھی ترغیب دی کہ میرے بعد میری ازواج کا خاص طور سے بہت خیال رکھیں۔ بس گویا پہلی ترغیب کا مضمون تو وہ ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں فرمایا کہ "لا تزال طائفۃٌ من اُمتی ظاہرین علی الحق الخ" اور دوسری ترغیب کا مضمون وہ ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں فرمایا کہ "اِنَّ اَمْرَکُنَّ مِمَّا یُھِمُّنِی من بعدی ولن یَصْبِرَ عَلَیْکُنَّ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّیْقُوْنَ" (ترمذی عن عائشہ رض) یعنی حضورؐ اپنی ازواج سے برابر یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے انتقال کے بعد جن باتوں کی بہت زیادہ فکر رہتی ہے ان میں سے ایک تم عورتوں کا بھی معاملہ ہے میرے بعد تمہاری خبر گیری پر بس صرف بڑے مستقل مزاج اور صدقہ دینے والے ہی جمے رہ سکتے ہیں" "مِمَّا یُھِمُّنِی" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو اس کا بڑا اہتمام تھا اور یہ بھی حضورؐ کی اہم فکروں میں سے ایک تھی لہٰذا حضورؐ نے جس طرح قرآن اور سنّت کا ذکر اہتمام سے کیا اس لئے کہ حضورؐ کو اس کی بڑی فکر تھی اُسی طرح ازواج کی خبر گیری کا ذکر بھی بڑے اہتمام سے کیا کیونکہ حضورؐ کو اس کی بھی فکر تھی حضورؐ نے اُمّت کو جب اس کی ہدایت فرمائی ہے کہ "استوصوا بالنساء" عورتوں کے بارہ میں مجھ سے وصیت حاصل کرو تو اُسی طرح خود بھی اپنی ازواج کے بارہ میں بھی وصیت فرمائی اور اپنی ازواج کو بھی اپنا وصی بنایا۔ (۶۱) اس کے دوسرے طریق میں ابن ارقم کے دوسرے شاگرد اور راوی یزید بن حیّان نے تو اپنے زعم میں ازواج کو اہلبیت سے خارج ہی کر دیا ادر قسم کے ساتھ ایک نہایت بے ادبی کی بات ۔ جی ہاں نہایت بے ادبی کی بات ۔ اُستاد کی زبان سے کہلوا دی صرف ازواج رسولؐ کے بارہ میں سوال تھا جواب میں وہ فرماتے ہیں "عورت تو طلاق پاکر چلی جاتی ہے" گویا طریق استدلال یہ کہ چونکہ عام عورتیں طلاق پاکر اپنے

باپ کے یہاں چلی جاتی ہیں اس جرم کی سزا میں بھلا حضورؐ کی بیبیاں حضورؐ کی اہلبیت کیونکر ہو سکتی ہیں؟ اِنّا للہ ولاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ سوال خاص حضورؐ کی ازواج کے متعلق ہے جنہوں نے حضورؐ سے طلاق لینا پسند نہیں کیا اور بیوتِ رسولؐ ہی میں (جو بحکم بیوتکن) خود انکے بیوت تھے مرتے دم تک رہ گئیں ان کے بارہ میں عام عورتوں کے طلاق سے الگ ہونیکو بہانہ بنا کر اہلبیت کی تعریف سے خارج کرنا کیسی عجیب منطق ہے؟ سوال از آسمان اور جواب از ریسمان اسی کو کہتے ہیں۔ اگر بالفرض حصین کا یا زید کا اشارہ فاطمہ بنت ضحاک کی طرف ہے جس کا نکاح حضورؐ سے ۸ھ میں ہوا اور واقعہ تخییر میں ۹ھ میں اس نے طلاق لے لی تو اسے تو کوئی بھی اہلبیتِ نبیؐ نہیں کہتا۔ مگر تمام ازواجِ رسولؐ کو اہلبیتِ نبی سے خارج کرنا۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ مجھے تو الحاقی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح حدیثِ ثقلین میں لفظ عترتی اہلبیتی بھی بعد کے کسی راوی کا الحاق ہے۔

ساتواں سبب دشمنانِ دین نے لفظ اہلبیت کو "تحریفِ قرآن اور تفریقِ ملت" کی نیت سے صرف ذواتِ اربعہ میں منحصر اور محدود کر کے بولنا اور اہلسنت کو پُر فریب تاویلوں سے اپنا ہمنوا بنانا شروع کیا اور چند صدیوں میں مختلف تدابیر سے ان کو مفہوم قرآنی سے بیگانہ کر دیا پھر ڈھول اور تاشہ کی چوٹ پر اور شربت اور بتاشہ کی چاٹ پر اس خود ساختہ مفہوم کو زیادہ سے زیادہ شائع اور صحیح مطلب کو زیادہ سے زیادہ ضائع کر دیا۔

آٹھواں سبب بھولے اہلسنت نے جب پُرفن دشمنانِ دین کی ظاہر عقیدتمندیاں بنو فاطمہ کے ساتھ دیکھیں تو دھوکے میں پڑ کر یہ سمجھے کہ "یہ لوگ اعتقاد میں تو سچے ہیں مگر بس ذواتِ اربعہ سے محبت رکھنے میں کچھ غلو اور اغراق، مبالغہ اور افراط کرنے لگ گئے ہیں" تو اہلسنت نے ان کو معذور سمجھنا اور ان کی گمراہیوں کی تاویل "غلبۂ محبت" سے کرنا شروع کر دیا اور اسی مغالطہ میں علما نے ان کے خلاف لب کشائی نہیں کی۔ علما کی اس سہل انکاری اور رواداری کا غلط اثر عوام نے لیا اور اس طرح اہلبیت کا صحیح مفہوم اور صحیح عقیدہ رفتہ رفتہ اہلسنت سے

کم اور گُم ہوتا رہا اور یہ چُپ رہے "تفضیلِ علی و تصغیرِ شیخین" ہوتی رہی اور یہ دیکھتے رہے تحدیدِ لقب اور در پردہ تحریفِ قرآن ہوتی رہی اور یہ سُنتے رہے ازواجِ مطہرات کی حق تلفیاں ہوتی رہیں اور یہ کچھ نہ بولے اور اس پر صدیاں گزر گئیں۔

نواں سبب بیشتر علماءِ اہلسنت نے جب عوام کالانعام اور بعض علما کالعوام کا رُخ بدلا ہوا دیکھا تو کم ہمتی اور عافیت کوشی سے اس گمراہی سے نفیاً یا اثباتاً کسی طرح بھی تعرض نہ کیا۔ اور تعاون علی البر کی مساعی کے بجائے تعاون علی الاثم والضلال ہی میں نیکنامی و عافیت سمجھی۔ اس طرح اُمت اس تحدیدِ لقب میں گرفتار ہو گئی۔

دسواں سبب شعرا نے جب معاشرے میں "بعض اہلبیت حدیثی" کی محبت و عقیدت کی نمائش کی مانگ زیادہ دیکھی تو انھوں نے کچھ تو داد کی لالچ میں اور کچھ دوسرے شعرا سے مسابقت کے شوق میں موزونیت کے کارخانوں سے مال تیار کر کر کے ہر صادر اور ہر بازار میں بھیجنا شروع کیا اور نظمیں اپنے آڑھتیوں یعنی بھک منگوں گداگروں کو یاد کرا دیں کہ وہ بلند آواز سے بڑھ بڑھ کر ہر بستی کی گلی گلی میں اس کا اشتہار کرتے پھریں پھر چاہے ان کو بھیک نہ بھی ملے مگر اہلسنت کے کم علم سادہ لوح عورتوں بچوں اور بوڑھوں کے عقائد تو خراب کر دیں اس طرح اہلبیت کے غلط مفہوم کی اشاعت جنگل کی آگ کی طرح پھیل کر رہی۔

یہ ہیں دسؔ اسباب جن کی وجہ سے لفظ اہلبیت صرف ذواتِ اربعہ کے لئے محدود ہو گیا۔

غرض ایک طرف تو اہلسنت کی یہ بے احتیاطیاں اُمت کے لئے مضر ثابت ہوئیں دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ عوام تو الگ رہے کبھی علما بلکہ خواص علما و صوفیہ بھی تفضیلِ علی کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں شاہ ولی اللہ جیسے عالم و صوفی نے بھی ایک بار زیارتِ نبوی سے مشرف ہونے پر عرض کیا کہ "میں ترکِ تقلید[1] کرنا ترکِ اسباب[2] کرنا اور شیخین پر حضرت علی[3] کو رضہ فضیلت دینا چاہتا ہوں" حضورؐ نے تینوں باتوں سے منع فرمایا۔ سادہ و کم علم عوام بلکہ اوساط اہلسنت

سے ہٹنےکی بھی ذمہ داری علماء کی اسی تلوین پر عائد ہوتی ہے مگر جب نظر اس پر جاتی ہے کہ انہوں نے محبت رسول کے جوش اور غلبہ میں ایسا کہدیا تو فتوا کو بھی ان کے متعلق اپنی زبان بند کرلینی پڑتی ہے۔ آخر حق تعالیٰ کی طرف سے ایک معقول حکم شرعی ایسے حضرات اور ایسے اقوال کے متعلق سمجھ میں آیا وہ یہ کہ جس طرح بعض کامل متبع سنت صوفیہ توحید باری کے مشاہدہ میں قوی حال سے مغلوب ہوکر بعض کلمات موہمہ کفر مثل انا الحق۔ سبحانی ما اعظم شانی۔ انا احمد بلا میم وغیرہ کہہ بیٹھتے ہیں ان کا جو کچھ حکم ہے وہی محبتِ رسول ؐ کے ایسے مغلوب مخلص متبع سنت علما وصوفیہ کا بھی ہے یعنی (۱) اس کیفیت کے طریان اور غلبہ تک معذور ہیں (۲) افاقہ کے بعد اجماع کے عقیدہ سے ہٹنے پر انکار۔ توبہ۔ استغفار یا حسب ضرورت) تجدید عقیدہ صحیحہ ضروری ہے (۳) اُس کیفیت کا اخفا و استتار خود اس مغلوب پر بھی لازم ہے (۴) صحو و افاقہ میں تفضیلِ شیخین۔ احترام ازواج وغیرہ سے کسی طرح تجاوز نہ کرنا چاہیئے جیسا شاہ صاحب نے اس غلبۂ حال کے بعد ازالۃ الخفا جیسی کتاب لکھ دی۔ کیونکہ امت محمدیہ کے عقائد کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض عین ہے (۵) ایسے سکری اور موہم اقوال کی نقل واشاعت کسی کو جائز نہیں وَإِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ○

فصل چہارم

احادیث کسار پر تنقیدی نظر

احادیث میں آیت تطہیر کی تفسیر میں حضرات ذواتِ اربع اور کسار کا ذکر آیا ہے اس لئے ان کو احادیث کسار کہتے ہیں۔ ذخیرۂ احادیث میں احادیث کسار کے متعلق اتنی متضاد اور عجیب روایات ملتی ہیں کہ عقل سلیم ان کو ماننے سے ابا کرتی اور ضمیر ان کے قبول

پر کرنے سے انکار کرتا ہے مگر علماء اہلسنت کو نہ ان میں کچھ تضاد نظر آتا ہے اور نہ ان کو انہیں تسلیم کرنے میں کچھ باک ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جن روایات میں بدمذہبوں کی تحریف سو فیصدی یقینی ہے ان کو انھوں نے بلا نکیر تسلیم کر لینے پر اکتفا کیسے کر لیا؟ فنِ رجال سے ان کی تحقیق و تعدیل کیوں نہ کر لی؟ یہ کیوں نہ سوچا کہ جب خود آیاتِ قرآنی پر اندھے بہروں کی طرح ٹوٹ پڑنا منع ہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے بارہ میں دو گمراہ فرقوں کی گمراہیوں سے تنقید و تحذیر بھی فرما دی ہے پھر بھی ان ظاہر الخطاء روایات کو قبول اور نقل در نقل کیسے کرنے لگ گئے؟

اللہ جزاء خیر دے مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کہ انھوں نے یہ فرض اہلسنت کی طرف سے ادا کیا اور رسالہ النجم لکھنؤ میں اپنی بے مثل تصنیف "تنقید حدیث کساء" شائع کی اور حضرت امام اہلسنت مولانا الحاج عبد الشکور صاحب فاروقی کاکوروی رحمہ اللہ نے اس کی بڑی مدح فرمائی اب ہم اسی کی تلخیص اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

یہ مضمون [کہ جب آیتِ تطہیر اتری تو حضورؐ نے سیدہ فاطمہ۔ سیدنا علی و حسنین رضی اللہ عنہم کو چادر یا کملی میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! یہ میرے اہلبیت ہیں ان کو پلیدی سے خوب پاک کر دے] تھوڑے تھوڑے فرق سے روایات کے سولہ سترہ طرق میں آیا ہے۔ ہم ہر طریق کی سند۔ مضمون۔ حوالہ بیان کر کے مولانا کیرانوی کی تنقید لکھتے ہیں:۔

(۱) طریق ام سلمہ: ابو کریبؒ۔ حسن بن عطیہؒ۔ فضیل بن مرزوقؒ۔ عطیہؒ۔ ابو سعید کلبی سیدہ ام سلمہؓ: مضمون۔ حضورؐ میرے گھر میں تھے کہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ الخ میرے گھر میں اتری۔ آپ نے حضراتِ ذواتِ اربعہ کو بلوایا اور ان کو ایک کملی میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ یہ میرے اہلبیت ہیں تو ان سے پلیدی دور کر اور انھیں پاک فرما دے۔ میں دہلیز پر بیٹھی تھی تو میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اہلبیت میں نہیں ہوں؟ تو فرمایا تم خیر کی طرف ہو۔

تم ازواج نبی میں ہو [ابن جریر ج ۱۰ ص ۵]

تنقید اسناد: یہ روایت موضوع ہے۔ اس کا گھڑنے والا محمد بن سائب کلبی راوی ۱
ہے۔ امام احمد اس کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ وہ رافضی سبائی تھا۔ اہل علم نے اسے کافر و
کذّاب کہا ہے۔ کہتا تھا کہ جبریل حضورؐ کے پاس وحی لائے تو حضور نہیں تھے تو وہ وحی حضرت
علیؓ پر اُتار کر چلے گئے (معاذاللہ) ان کو اس کا شاگرد عطیہ ابوسعید کہا کرتا ہے حالانکہ خود محمد کلبی
نے اپنی یہ کنیت نہیں رکھی تھی۔ عطیہ راوی ۲ کے متعلق امام احمد لکھتے ہیں "ضعیف الحدیث ہے
مجھے خبر ملی ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آمد و رفت رکھتا تھا اور اس سے تفسیر پوچھا کرتا تھا اور اُسکی
کنیت ابوسعید کہتا تھا وہ یوں روایت کرتا ہے کہ ابوسعید نے کہا۔ مجھ سے ابواحمد زبیری کہتے تھے کہ
میں نے خود کلبی (محمد بن سائب کلبی) کو یہ کہتے سنا کہ عطیہ نے میری کنیت اپنی طرف سے ابوسعید
رکھ دی۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ عطیہ کے ایک اُستادِ حدیث ابوسعید تھے جب ان کا انتقال ہو گیا تو
عطیہ کلبی کے پاس بھی اسی طرح آنے جانے لگا تو جب کلبی کہتا کہ رسول اللہؐ نے ایسا فرمایا تو عطیہ اسے
یاد کر لیتا اور کلبی کو بھی ابوسعید ہی کہنے لگا اور اسی کلبی سے روایت کرنے لگا جب کوئی اُس سے پوچھتا
کہ تم سے یہ بات کس نے بیان کی تو وہ کہتا مجھ سے ابوسعید نے بیان کیا۔ لوگوں کو یہ وہم ہوتا کہ
وہ ابوسعید سے ابوسعید خدری مُراد لے رہا ہے حالانکہ وہ کلبی کو مُراد لیتا تھا" [خلاصہ اس تنقید
اسناد کا یہ ہوا کہ اس میں مسلسل دو راوی غیر معتبر ہیں کلبی کافر، کذّاب اور سبائی تھا اور عطیہ قلب
اسانید کے جھوٹ کا مرتکب تھا اس لئے یہ روایت مردود ہے]

تنقید مفہوم: مولانا کیرانوی اس روایت کے معنی و مفہوم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
"....اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ قرآن کو نہ سمجھتے تھے
کیونکہ قرآن کا مدلول صرف اتنا ہے کہ اے ازواج! ہم نے تم کو احکام مذکورہ اس لئے دئے ہیں کہ
تم ان پر عمل کر کے پاک رہو بس اس کا مقتضا یہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چیا رتن

کو بلا کر فرماتے کہ تم بھی میرے گھر والے ہو تم کو بھی ان پر عمل کر کے پاک ہونا چاہیئے نہ کہ بجائے ان کو فہمائش کے حق تعالیٰ سے دعا فرمانا ہے (؟ دعا فرمائی) کہ ان کو پاک کر دے کیونکہ اس صورت میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ہوتا کہ ہم نے پاک ہونے کا طریق بتلا دیا ہے کہ اگر یہ لوگ بھی اس پر عمل کریں گے تو وہ بھی پاک ہو جائیں گے پس بجائے اس کے کہ ہم سے درخواست کرو خود ان لوگوں کو فہمائش کرنی چاہیئے کہ وہ ان پر عمل کریں۔" (انتہیٰ)

(۲) طریق مذکور: محمد بن مثنیٰ۔ بکر بن یحییٰ بن ریان عنزی۔ مندل۔ اعمش۔ عطیہ۔ ابو سعید خدری۔ ام سلمہ (مضمون) آیت انما یرید اللہ الخ پانچ آدمیوں کے بارہ میں اتری ہے ایک میں اور ذوات اربعہ [ابن جریر ج۔۱ ص۵] (تنقید) مندل راوی ۳ جائز الحدیث ہے مگر شیعہ ہے (عجلی) واہی الحدیث ہے (جوزجانی) ثقہ نہیں ہے۔ مناکیر بیان کرتا ہے (ساجی) مرسل حدیثوں کو مرفوع کہہ کر پیش کرتا ہے۔ اور مرفوع میں خرابی حافظہ کے باعث سند جوڑتا ہے اس لئے ترک کئے جانے کا مستحق ہے (ابن حبان) میں (کیرانوی) کہتا ہوں کہ یہ سوء حفظ نہ تھا بلکہ تشیع کے کرشمے تھے واللہ اعلم [خلاصہ اس میں مندل۔ عطیہ۔ ابو سعید یعنی بن سائب کلبی تین راوی بد مذہب ہیں]

(۳) طریق سابق: ابو کریب۔ وکیع۔ عبد الحمید بن بہرام۔ شہر بن حوشب۔ فضیل بن مرزوق۔ عطیہ۔ ابو سعید خدری۔ ام سلمہ۔ (مضمون) جب آیت انما یرید اللہ الخ اتری تو حضور نے ذوات اربعہ کو بلوایا اور ان پر خیبر کا کمبل ڈالا اور فرمایا اے اللہ یہ لوگ میرے اہلبیت ہیں اے اللہ ان سے پلیدی دور کر اور ان کو پاک کر تو ام سلمہ بولیں کیا میں ان میں نہیں ہوں فرمایا تم خیر کی طرف ہو [ابن جریر ص۶]

(تنقید) شہر بن حوشب راوی ۴ کی کنیت بھی ابو سعید ہے۔ یہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔ اس کی حدیث کو حجت نہ بنایا جائے نہ اسے دین سمجھا جائے (ابن عدی) ابن منصور نے شہر

کے ساتھ حج کیا اس نے میرا تھیلا چرالیا (یحیٰی قطان) اس کی روایت پر اعتبار نہ کیا جائے (ابن جوزجانی) [خلاصہ اس میں کلبی۔ عطیہ۔ اور شہر بن حوشب یہ تین راوی بدمذہب ہیں]

(۴) طریق مذکور: ابو کریب۔ مصعب بن المقدام۔ سعید بن زربی۔ محمد بن سیرین۔ ابو ہریرہ۔ ام سلمہ (مضمون) حضورؐ کے پاس سیدہ فاطمہؓ ایک سینی پر رکھ کر کچھ (؟) لائیں اور آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا تمھارے شوہر اور دونوں لڑکے کہاں ہیں انھوں نے کہا گھر میں فرمایا انھیں بلاؤ تو انھوں نے آکر علیؓ سے کہا کہ آپ کو اور لڑکوں کو حضورؐ نے بلایا ہے۔ جب حضورؐ نے ان کو آتے دیکھا تو ہاتھ بڑھا کر بستر سے ایک کمبل اٹھا کر اسے بچھایا اور ان سب کو اس پر بٹھایا پھر اس کے چاروں کونے بائیں ہاتھ سے اکٹھا کر کے داہنے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ میرے اہلبیت ہیں ان سے پلیدی دور کیجئے اور انھیں پاک کر دیجئے" [ابن جریر ص] (تنقید) یہ سند اور یہ متن سعید بن زربی راوی ۳ کا اختراع ہے۔ سعید بن زربی کے یہاں مناکیر کے عجائب ہیں (ابو حاتم) یہ صاحب عجائب ہے (مسلم) یہ شخص ثقات سے موضوعات روایت کرتا ہے (ابن حبان) انتہیٰ تنقید کیرانوی۔ [اضافہ از سراج: حضورؐ کا ان کو گٹھری بنا کر بائیں ہاتھ سے پکڑنا واقعی عجیب اور مناکیر میں سے ہے اور داہنے ہاتھ سے اللہ کی طرف (نہ کہ آسمان کی طرف) اشارہ کرنا عجیب تر ہے] خلاصہ: اس روایت میں بن زربی بدمذہب موجود ہے اس لئے نا قابل اعتبار ہے۔

(۵) طریق مذکور: ابو کریب۔ خالد بن مخلد۔ موسیٰ بن یعقوب۔ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص۔ عبداللہ بن وہب بن زمعہ۔ ام سلمہ (مضمون) حضورؐ نے علی و حسنین رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور پھر ان کو اپنے کپڑوں میں داخل کیا پھر خدا سے فریاد کی پھر فرمایا یہ میرے اہلبیت ہیں۔ ام سلمہؓ بولیں یا رسول اللہ! مجھے بھی ان کے ساتھ داخل کر لیجئے۔ فرمایا ہاں تم میرے اہل میں ہو۔ [ابن جریر ص] تنقید: یہ طریق راوی ۲ خالد کا اختراع

ہے۔ خالد[1] منکر الحدیث ہے۔ تشیع میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا[2] (ابن سعد) علانیہ سبّ[3] و شتم کرتا تھا چنانچہ کسی نے پوچھا کیا مناقب صحابہ کی حدیثیں بھی تمہارے پاس ہیں؟ کہنے لگا مثالب کی پوچھو (جوزجانی) خلاصہ: اس میں خالد جیسا دشمن صحابہ موجود ہے۔

(۶) طریق مذکور: احمد بن محمد طوسی[7]۔ عبدالرحمٰن[5] بن صالح۔ محمد بن سلیمان[4] اصبہانی۔ یحییٰ بن عبید[3] مکی۔ عطا[2]۔ عمر بن سلمہ[1]۔ ام سلمہ (مضمون) آیت انما یرید اللہ الخ حضورؐ پر ام سلمہ کے گھر اتری تو آپ نے حسنین و فاطمہ کو بلا کر اپنے سامنے اور علی کو بلا کر اپنے پیچھے بٹھایا پھر اپنے کو اور ان ذوات اربعہ کو کمبل اڑھا لیا پھر فرمایا یہ ہیں میرے اہل تو ان سے پلیدی دور کیجئے اور انھیں پاک کر دیجئے۔ ام سلمہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ان کے ساتھ میں بھی آجاؤں؟ فرمایا تم اپنی جگہ ٹھہری رہو تم بہتر حالت میں ہو (ترمذی) تنقید: ترمذی نے اسے غریب کہا ہے یہ غرابت غالباً محمد بن سلیمان اصبہانی کی جہت سے ہے۔ ائمہ رجال نے اس کا حال یہ بتایا ہے اس کی حدیث کو حجت[1] نہیں بنایا جائے گا (ابو حاتم) یہ مضطرب الحدیث[2] ہے۔ اس کے یہاں جتنی حدیثیں ہیں سب میں اس نے غلطیاں[3] کی ہیں (ابن عدی) اصبہانی[4] ضعیف ہے (نسائی) [خلاصہ: اس روایت میں اصبہانی نے دانستہ یا نا دانستہ غلطی کی ہے]

(۷) طریق مذکور: ابن حمید[4]۔ عبداللہ[3] بن عبدالقدوس۔ اعمش[2]۔ حکیم بن سعد[1]۔ ام سلمہ (مضمون) ہم نے سیدہ ام سلمہ کے یہاں حضرت علیؓ کا ذکر کیا تو وہ بولیں کہ انھیں کے بارہ میں آیت انما یرید اللہ الخ اتری حضورؐ میرے گھر آئے اور فرمایا کسی کو میرے پاس آنے نہ دینا تو فاطمہ آئیں تو میں ان کو ان کے والد کے پاس جانے سے روک نہ سکی پھر حسن آئے تو میں ان کو بھی نہ روک سکی پھر حسین آئے میں انھیں بھی منع نہ کر سکی تو یہ سب حضورؐ کے آس پاس ایک بچھونے پر اکٹھے ہو گئے تو حضورؐ نے ان کو ایک کمبل اڑھایا جسے پہلے خود اوڑھے ہوئے تھے پھر دعا کی کہ یہ میرے اہلبیت ہیں ان سے پلیدی دور کیجئے اور انھیں

پاک کر دیجئے تو جب یہ لوگ اس بچھونے پر اکٹھے ہو لئے تب یہ آیت اُتری اُم سلمہ کہتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ! اور میں؟ ۔ بخدا مجھے چین نہ ملے گا تو حضورؐ نے فرمایا تم خیر کی طرف ہو [ابن جریر ج ۱۰ ص ۲۹۷] تنقید: یہ طریق عبداللہ بن عبدالقدوس کا اختراع ہے ۔ یہ عبداللہ [1] لاشئے ہے ۔ خبیث [2] رافضی ہے (یحییٰ ابن معین) ضعیف الحدیث [3] رافضی المذہب ہے ۔ (ابو داؤد) یہ ثقہ نہیں [4] ہے (نسائی) یہ اکثر غریب حدیثیں [5] بیان کرتا ہے (ابن حبان) یہ اکثر فضائل اہلبیت [6] ہی کی روایتیں بیان کرتا ہے (ابن عدی) یہ شیعہ خشبی [7] تھا (ابو معمر) یہ مزدور تھا ۔ کچھ بھی (قابل توجہ) نہیں [8] تھا لوگ اس سے ٹھٹھول کرتے تھے ۔ یہ پاگل [9] کی طرح تھا لڑکے اس کے پیچھے شور مچاتے پھرتے تھے (محمد بن مہران)

[انتباہ: (۱) مولانا کیرانوی لکھتے ہیں "یہ موضوع روایت مولوی عاشق الٰہی صاحب نے اپنے حمائل کے حاشیہ میں درج کی ہے" یہ ہے اہل علم کی غفلت!

(۸) طریق واثلہ رضؓ: عبدالاعلیٰ [5] بن واصل ۔ فضل [4] بن دکین ۔ عبدالسلام [3] بن حرب ۔ کلثوم [2] محاربی ۔ ابی عمار [1] ۔ واثلہ (مضمون) ابو عمار کہتے ہیں میں واثلہ بن اسقع کے پاس بیٹھا تھا کہ لوگوں نے حضرت علیؓ کا ذکر کیا اور انھیں سب و شتم کیا جب وہ اٹھ کر جانے لگے تو واثلہ نے کہا بیٹھو میں تم کو ان کا واقعہ بتاؤں جنھیں یہ لوگ سب و شتم کر گئے ہیں ۔ میں حضورؐ کے پاس تھا کہ آپ کے پاس ذوات اربعہ رضؓ آئے تو آپ نے ان پر اپنا کمبل ڈال دیا پھر دعا کی اے اللہ یہ میرے اہلبیت ۔ اے اللہ ان سے پلیدی دور کر اور انھیں پاک کر ۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! اور میں؟ فرمایا ہاں تم کو بھی ۔ واثلہ کہتے ہیں بخدا ۔ مجھے سب سے زیادہ اسی کا سہارا ہے [ابن جریر ص ۵]

تنقید: فضل بن دکین راوی مہا شیعی ہیں مگر اس روایت کو وضع کرنے والا غالباً کلثوم محاربی [2] راوی ہے ۔

(۹) طریق مذکور: عبدالکریم [4] بن ابی عمیر ۔ ولید [3] بن مسلم ۔ ابو عمرو [2] ۔ شداد [1] ابو عمار ۔ واثلہ رضؓ

(مضمون) میں (واثلہ) حضرت علی کو ڈھونڈھتا ان کے گھر گیا تو سیدہ فاطمہ نے کہا کہ حضورؐ کو بلانے گئے ہیں اتنے میں علیؓ آ گئے اور حضورؐ آ کر گھر میں گئے۔ میں بھی چلا گیا۔ حضورؐ فرش پر بیٹھ گئے فاطمہؓ کو داہنے علیؓ کو بائیں۔ حسنین کو سامنے بٹھایا اور ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ لیا اور کہا انما یرید اللہ الخ یا اللہ یہ میرے اہل ہیں اے اللہ میرے اہل زیادہ مستحق ہیں۔ میں نے گھر کے کونے سے کہا یا رسول اللہ کیا میں بھی آپ کے اہل سے ہوں فرمایا ہاں تم بھی میرے اہل میں سے ہو واثلہ کہتے ہیں یہی میرا سب سے بڑا سہارا ہے (ابن جریر ص) تنقید: ابو عمرو راوی متہم ہے اس کا نام عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے یہ منکر الحدیث ہے (بخاری) متروک الحدیث ہے۔ لوگوں نے اس کی حدیث یعنی چھوڑ دی (ابو داؤد۔ نسائی۔ دار قطنی) ضعیف الحدیث ہے (ابو حاتم)

(۱۰) طریق انسؓ: محمد بن بکر۔ حماد بن سلمہ۔ علی بن زید بن جدعان۔ انسؓ۔ (مضمون) حضورؐ چھ ماہ تک نماز کو جاتے وقت برابر سیدہ فاطمہ کے گھر کے پاس سے گزرتے ہوئے فرماتے اے اہلبیت نماز کو چلو اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ الآیۃ (ابن جریر ص) تنقید: اس میں علی بن زید بن جدعان راوی نمبر۱ رافضی ہے۔ یہ شیعی لا باس بہ ہے (عجلی) اسکی حدیث لی اور لکھی جا سکتی ہے مگر یہ قوی نہیں (عمرہ) یہ واہی الحدیث ہے ضعیف ہے۔ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے شیعی ہے اس کی حدیث کو حجت نہ سمجھا جائے (جوزجانی) یہ قوی نہیں اس کی حدیث لکھ لی جائے مگر سند نہ بنائی جائے یہ شیعی ہے (ابو حاتم) یہ قلب احادیث کرتا تھا (حماد بن زید) اسے شیعیت میں غلو تھا (ابن عدی) اسے وہم ہوتا تھا بہت خطا کرتا تھا اس لئے ترک کا مستحق ہے (ابن حبان)

(۱۱) طریق مذکور: ابن وکیع۔ ابو نعیم۔ یونس بن ابو اسحاق۔ ابو داؤد۔ ابو الحمراء انسؓ (مضمون) مثل بالا مگر مدت سات ماہ تک (تنقید) راوی نمبر۲ ابو داؤد کا نام

نفیع بن الحارث ہے۔ یہ ضعیف ہے بعض نے اسے کاذب کہا ہے۔ اس سے روایت نہ لینے پر اجماع کیا ہے (ابن عبداللہ) یہ ثقات کے نام سے موضوعات روایت کرتا ہے (ابن حبان) یہ غالی رافضی تھا (عقیلی) یہ کوفہ کے غالی لوگوں میں سے ہے (ابن عدی)

(۱۲) طریق مذکور: عبدالاعلیٰ بن واصل۔ فضل بن دکین۔ یونس بن ابی اسحاق۔ ابو داؤد۔ ابوالحمراء۔ انس رض (مضمون) مثل بالا۔

تنقید: راوی بن دکین شیعی ہے (دیکھو حدیث ۸) اور راوی ۲ کا حال حدیث ۱۱ میں دیکھو۔

(۱۳) طریق عائشہ رض: ابن وکیع۔ محمد بن بشر۔ زکریا۔ مصعب۔ ابی شیبہ۔ صفیہ بنت شیبہ۔ عائشہ رض (مضمون) حضورؐ ایک صبح کو سیاہ دھاری دار کمبل اوڑھ کر گھر سے نکلے تو حسن رض آگئے آپ نے انھیں کمبل میں لے لیا پھر علی آئے انھیں بھی لے لیا پھر فرمایا انما یرید اللہ الخ (ابن جریر ص ۹۹ مشکوٰۃ عن مسلم ص ۵۶۸)

تنقید: راوی ۳ مصعب کا حال یہ ہے یہ مناکیر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ (امام احمد) یہ قوی نہیں۔ لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے (ابو حاتم) یہ منکر الحدیث ہے۔ (نسائی) یہ قوی نہیں (دار قطنی) اس مضمون کی روایت عموماً سیدہ ام سلمہ سے ہے مگر یہ سیدہ عائشہ کی روایت ہے معلوم ہوتا ہے کہ مصعب ہی نے یا کسی نے سند بدل دی ہے

(۱۴) طریق ام سلمہ رض: موسیٰ بن عبدالرحمن مسروق۔ یحییٰ بن ابراہیم بن سوید نخعی۔ ہلال ابن مقلاص۔ زبید۔ شہر بن حوشب۔ ام سلمہ۔ (مضمون) حضورؐ میرے پاس تھے اور فاطمہ بھی تو میں نے ان کے لئے حلوا پکایا تو ان سب نے کھایا اور سو گئے اور ان سب پر آپ نے عبا یا چادر اڑھا دی پھر فرمایا اے اللہ یہ سب میرے اہلبیت ہیں ان سے پلیدی دور کر اور انھیں پاک کر [ابن جریر ص ۵] نقد از مراج راوی ۱ شہر بن

حوشب ... ... ناقابل اعتبار تھا (دیکھو حدیث ۳۰) نیز اس میں اس کا براہ راست ام سلمہؓ سے روایت کرنا بھی قابل تعجب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جرح کنندہ خود بھی متکلم فیہ ہے۔

(۱۵) ابن مثنیٰ۔ ابوبکر حنفی۔ بکیر بن سمار۔ عامر بن سعد۔ سعد۔ (مضمون) جس وقت حضورؐ پر یہ آیت انما یرید اللہ اتری تو آپ نے علی و حسنین و فاطمہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ملبوس کے نیچے داخل کرکے فرمایا اے میرے رب یہی میرے اہلبیت اور اہل ہیں [ابن جریر ص۶] راوی ۳ بکیر بن سمار کو بخاری "فیہ نظر" بتاتے ہیں (تہذیب التہذیب)

(نقد) اس روایت کے اسناد کا حال کوئی ماہر فن رجال ہی بتا سکتا ہے۔

(۱۶) محمد بن عمارہ۔ اسمٰعیل بن آبان۔ صباح بن یحییٰ مرّی۔ سُدّی۔ ابوالدیلم۔ (مضمون) سیدنا علی زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہم نے ایک شامی شخص سے کہا کیا تم نے سورہ احزاب میں آیت انما یرید اللہ الخ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا تو ہاں تو کیا وہ آپ ہی ہیں؟ بولے ہاں [ابن جریر ص۶] نقد سراج: یہ تاریخ کا ایک واقعہ ہے مگر مجھے شک ہے کہ علیؓ بن الحسینؓ نے آیت کا سبب ازواج رسول کی بجائے اپنے کو بتایا ہو۔ بعد کے ذریت طاہرہ تو دشمنانِ دین کے فریب میں آسکتے ہیں مگر علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے تو مجھے یہ گمان بھی نہیں ہوتا۔ راوی ۲ اسماعیل بن عبدالرحمٰن ابن ابی کریمہ السُّدّی صدوق تو ہیں مگر ان کو وہم ہوتا تھا ان پر تشیع کا الزام بھی ہے (تقریب التہذیب)

تنقید ختم ہوئی اب چند لطائف ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ امام جریر طبری نے آیت مبحوثہ کی تفسیر میں پہلے تو ۱۶ یا ۱۷ روایات بیان کیں جو ذواتِ اربعہ رضی اللہ عنہم کو مدلولِ آیت یا سبب نزول ظاہر کرتی ہیں اور کسی وجہ سے گویا ایسی کل ہی روایات جمع کر دی ہیں۔ اس کے بعد صرف ایک روایت یہ لکھی ہے کہ ابن حمید از یحییٰ بن واضح از اصبغ از علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عکرمہ بازار میں ندا کرتے

بھرتے تھے کہ آیت تطہیر خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارہ میں اُتری ہے"
غور کیجیے کہ اُن ۱۶-۱۷ روایات کے مقابلہ میں صرف ایک روایت اور اُسے بھی آخر
میں بیان کرنا لوگوں کے ذہنوں پر کیا اثر ڈالے گا۔ پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ
ابن جریر کو ذوات اربعہ کے متعلق احادیث کی تلاش کی فکر ہوئی مگر ازواج کے متعلق
روایات کی تلاش کی فکر نہ ہوئی؟ حضرت عکرمہ کے اُستاد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
بھی یہ روایت اس طرح مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا "یہ آیت خاص ازواج نبی کے بارہ
میں اُتری جو اس کا منکر ہو چاہے تو میں اس کے ساتھ اس پر مباہلہ کرنے کو تیار ہوں"
(تفسیر درِ منثور)۔ یہ روایت ابن جریر کو کیوں نہ ملی؟

۲۔ ان ۱۷ روایات میں ایک روایت ۱۲ امام ترمذی نے اور ۱۳ امام مسلم نے لی ہے ترمذی
نے اپنی روایت کو غریب کہا ہے اس میں ابن سلیمان اصبہانی جیسا مضطرب الحدیث اور
ضعیف راوی موجود ہے۔ بقیہ روایات اس قابل نہ تھیں جنھیں صحاح کے بعد والے
بھی اپنے یہاں لکھتے مگر ابن جریر نے بہت اہتمام سے ان سب کو کسی خاص مقصد سے
تلاش کر کے ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے۔

۳۔ اگر کساء۔ رداء۔ قطیفہ۔ عباء میں ذواتِ اربعہ کو لینے کا واقعہ بھی صحت
رکھتا ہوتا تو آخر ثقات اور غیر متہم راویوں سے یہ واقعہ کیوں مخفی رہا؟ اور اُن سے
اس مضمون کی کوئی صحیح و معتبر روایت ہم تک کیوں نہیں پہنچی؟

۴۔ یہ بات میری عقل میں کسی طرح نہیں آتی کہ حضور بارہ حضرات کو تو اپنا اہلبیت
خود فرمائیں مگر جب خدا کے حضور دعائے خاص کا وقت ہو تو آٹھ کو اور خاص کر سیدہ
اُمامہ کو احبّ اہلبیت کہنے کے بعد بھی چادر اور دعا میں لینے کے لئے نہ بلائیں۔

۵۔ ان روایات میں باہم اتنا اختلاف۔ اضطراب، بلکہ تناقض ہے کہ ایک سمجھدار

انسان یا خالی الذہن مسلمان کبھی ان کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ دیکھئے ایک روایت میں نزول آیت کا پہلے ہونا اور عبادِ کسا کا معاملہ بعد میں ہونا مذکور ہے تو دوسری میں معاملہ کسا کا پہلے اور ایک میں نزول آیت کا مصداق و مدلول و سببِ نزول ازواجِ نبی کو بتایا ہے تو دوسری میں اس کا مصداق ذواتِ اربعہ کو۔ ایک میں کسا پر بٹھانا آتا ہے تو دوسری میں کسا کے شامیانہ میں بیٹھنا آتا ہے۔ کسی میں چادر سے اوڑھانا مذکور ہے تو کسی میں چاروں کو کٹھری میں بند کرنا (روایت ۱۲) ان حالات میں وہ طبائع اور ان کے ذوق یقیناً قابلِ داد اور لائقِ دید ہیں جو اس تضاد و اضطراب کے باوجود اور راویوں کی بد مذہبی جاننے کے بعد بھی ان روایات پر ایمان لائے ہیں ورنہ ایک مومن اپنی فراستِ صادقہ سے دیکھ کر ضرور کھٹکے گا کہ ؏

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

[خاتمہ فصل] جب دشمنانِ اسلام کی طرف سے اسلامی عقائد پر نت نئے حملے آئے دن ہو رہے ہیں اور وہ اپنے صدیوں پرانے لچر اعتراضات و تحریفات کو نیا رنگ و روپ دے کر برابر ہر سال اہلسنت پر پیش کرتے رہتے ہیں ایسی حالت میں ہمارے لئے یہ بڑی بے عقلی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ سو دو سو سال میں ایک ابن تیمیہ یا ایک عبدالشکور پیدا ہونے کو کافی سمجھ لیں۔ اس سلسلہ میں میری چند تجاویز ہیں جن کا یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ا۔ رسولؐ۔ اصحابِ رسولؐ۔ ازواجِ رسولؐ کی حرمت و عزت برقرار رکھنے کے لئے ہم کو مخلوق کا خوف اور ملامت کا اندیشہ دل سے نکال دینا چاہئے صحابہ و ازواجِ رسولؐ کی حق تلفیاں ہم اب تک کرتے رہے اور اس کے نتائجِ بد (صحابہ کی بدگوئی۔ عقائد حقہ سے جہل) اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے اب سابقہ غفلتوں کی تلافی اس طرح کرنا چاہئے کہ ہر عالم مختلف مباحث پر ہر ماہ میں کوئی نہ کوئی مضمون نچہ۔ رسالہ ضرور لکھا کرے۔ اگر تصنیف ابتدائی

نہ کر سکے تو کم سے کم دیگر علمار محققین ہی کی کسی تحریر کا خلاصہ۔ شرح یا اصل مضمون ہی کا اعادہ کر دیا کریں۔ جس طرح خود مجھے اس رسالہ کے لکھنے کی تحریک حضرت مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بے مثل تصنیف "تنقید حدیث کساء" کے مطالعہ کے بعد ہوئی۔ چنانچہ چوتھی فصل میں اس تنقید کا ماحصل میں نے اپنے الفاظ میں پیش کر دیا۔

۲۔ اگر صحابہ یا ازواج رسول کی عزت و جلالتِ شان کے معارض کسی عالم صوفی کا قول دیکھئے بلکہ کسی محدث (بخاری مسلم ترمذی وغیرہم تک) کی روایت دیکھئے تو پہلے تو اس کا خوب اطمینان بھی کر لیجئے کہ اس قول یا حدیث سے واقعۃً استخفاف کا پہلو نکلتا ہے علما سے استفسار اور مشورہ کرنے کے بعد جب استخفاف کا یقین ہو تو پھر صحابہ وازواج کی عزت کا زیادہ خیال کیجئے اور اس محدث۔ راوی۔ عالم۔ درویش۔ قطب۔ مجدد کا انکار کر دینا زیادہ آسان سمجھئے کیونکہ صحاح تک کے راویوں میں نہ معلوم کتنے سبائی۔ کذاب گھسے ہوئے ہیں اس وقت اس سے نہ جھجکئے کہ کہاں ہیں اور کہاں یہ محدث اس وقت تو آپ حضرات اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کی حمایت اور مظلوموں کی نصرت اور شرع کی خدمت کر رہے ہیں آپ صحابہ یا اُمہات المومنین کی نصرت میں باطل کی تردید اور حق کی اشاعت کر رہے ہیں۔

۳۔ اُردو کے جتنے اخبار یا ماہنامے اہلسنت کی ادارت میں نکل رہے ہیں اُن تمام مدیرانِ جرائد کے ارکانِ ادارہ سے درخواست اور وصیت کرتا اور مشورہ دیتا ہوں کہ وہ دین کے اس اہم فریضہ کو خوشی اور اہتمام سے انجام دینے کا عزم کر لیں۔

۴۔ حضرات مدرسین حدیث کی خدمت میں بہ ادب درخواست ہے کہ:-

(الف) کتب حدیث کے ابواب المناقب کو اور خاص کر مناقب ازواج النبی۔ مناقب فاطمہ۔ مناقب علی۔ مناقب حسنین وغیرہ کو جن میں بد مذہب لوگوں نے افراط اور تفریط کا عمل بہت کیا ہے) ادب عربی کے اسباق کی طرح صرف ترجمہ نہ کرا دیا کریں بلکہ پوری تیاری

کرکے متعارض احادیث میں تطبیق و توفیق بھی دیا کریں۔ نیز رجال کے عمیق مطالعہ کے بعد اپنے پاس کذاب و وضاع مدلس و ملبس۔ صاحبِ مناکیر و متہم بالرفض راویوں کی ایک فہرست بنا کر تیار کریں اور متون احادیث کے اسناد پر تنقیدی نظر ڈال کر طلبہ کو متنبہ کرتے رہیں کہ فلاں محدث کی فلاں روایت قابلِ اعتبار اور قابلِ روایت نہیں۔ محدث نے تو اپنی مرویات کو کتاب میں مدون کر دیا ہے مگر ہم طالبانِ حدیث کو نہ چاہیے کہ ہر ایک روایت کو صحیح سمجھ کر صمّاً و عمیاناً اُن پر ٹوٹ پڑیں۔"

(ب) طلبہ کو یہ چند اصولِ حدیث اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں کہ جن لوگوں پر تشیع و رفض کا الزام، بہ تصریحِ ائمہ ثابت ہو ان کی روایت نہ تو فضائل اہلبیت میں معتبر ہے اور نہ مطاعنِ صحابہ میں۔ اگرچہ ان کو بعض نے صدوق اور ثقہ بھی کہا ہو کیونکہ محدثین کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ "بدمذہب کی کوئی ایسی روایت معتبر اور مقبول نہ ہوگی جو کسی درجہ میں اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو۔"

(ج) جو لوگ صراحۃً تو رافضی اور شیعہ مشہور نہ ہوئے ہوں مگر ان کے متعلق یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اسناد کی الٹ پھیر اور سخت ناپسند اور منکر روایت کیا کرتے ہیں ان کی بھی ایسی روایات۔ جو فضائلِ اہلبیت یا مطاعنِ صحابہ میں ہوں۔ ہرگز مقبول نہیں۔

(د) کسی روایت کا متعدد طرق سے مروی ہونا ہر حال میں مطلقاً موجب تقویتِ روایت یا موجب تسلیم نہیں ہوتا۔ اس میں راویوں کے ثقہ ہونے کی بھی قید ہے کیونکہ بسا اوقات غیر ثقہ راوی بھی کوئی روایت متعدد طرق سے بیان کرتے ہیں۔ اس صورت میں تو یہی تعدد طرق اسکے موضوع ہونے کی دلیل بن جاتا ہے۔

(ہ) اگر عہد صحابہ کا کوئی اہم اور مشہور واقعہ ہو تو ہم تک اُسے بطریق ثقات پہنچنا چاہیے۔ ایسا کوئی واقعہ غیر ثقہ کی روایت سے پہنچے تو یہ بھی شبہہ کی چیز ہے اور پھر اس میں تعدد طرق کا فریب بھی ہو تو یہ ہرگز قابل قبول نہیں۔

تمت